ماہنامہ

قلندر شعور

مئی ۲۰۱۷ء

سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا

PMS
PROPERTY MANAGEMENT SERVICES

PMS ® – Property Management Services

We are now

OPEN

IN KARACHI

بالخصوص بحریہ ٹاؤن کراچی اور لاہور
میں خرید و فروخت اور دیگر تفصیلات حاصل
کرنے کے لئے رابطہ کیجئے......

Karachi Office

Shop# 1, Plot 58-C 25th Street, Tauheed Commercial,
Phase 5, DHA, Karachi. Tel: +92-2135297299
info@propertymservices.com
www.propertymservices.com
www.facebook.com/propertymservices

LAHORE | KARACHI | DUBAI | LONDON

INTRODUCING WORLD CLASS ARTWORK OF
100 MASTER CRAFTSMEN

EVREN LAAR

HAND MADE EXECUTIVE SHOES

Made in Turkey

Main Liberty Signal, Tariq Road, Karachi

WWW.EVRENLAAR.COM

FACEBOOK | TWITTER | LINKEDIN | INSTAGRAM | YOUTUBE

LIFE KARO BOOST
لائف کرو
بوسٹ
80 سال سے آزمودہ
شاہی
ہربل ہیلتھ ٹانک
Tayyebi
Shahi
Herbal Health Tonic
IMMUNITY BOOSTER
Rich in Vitamins & Minerals
100%
HERBAL, NATURAL
شاہی قدرتی اجزاء سے تیار کردہ صحت بخش ٹانک، ہر عمر کے مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید ہے۔
منتخب جڑی بوٹیوں، پھلوں اور شہد سے تیار کردہ شاہی قدرتی وٹامنز اور منرلز سے بھرپور ہے جو نشوونما کو بڑھاتے اور جسم کو توانا بناتے ہیں۔
شاہی میں موجود قدرتی اجزاء
☆ کیلشیم ☆ فولک ایسڈ ☆ فولاد ☆ وٹامنز
طیّبی
طبی دواخانہ (پرائیویٹ) لمیٹڈ، کراچی پاکستان

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ
عمرہ سروس
THE FLYING PEOPLE
تجمل ٹریولز
(پرائیویٹ) لمیٹڈ
D.T.S
TRAVEL AGENTS ASSOCIATION OF PAKISTAN
TAAP
• بجٹ پیکج
•• اکانومی پیکج
••• سٹار پیکج
ویزہ
ہوٹل / ٹرانسپورٹ
ائیرلائن ٹکٹ
زیارات
عمرہ کی رہنمائی اور تمام ائیرلائن کی سستی ترین ٹکٹ دستیاب ہیں
رانا تجمل حسین
0300-6654211
0321-6680266
طیب طاہر
0336-6333313
0347-7000038
Gole Bhawana &Aminpur Bazar, Faisalabad.
Email:tajammaltravels1@gmail.com
Ph:041-2641904
PIA Pakistan International
GULF AIR
QATAR AIRWAYS القطرية
airblue
Emirates
flydubai
العربية للطيران
airarabia.com
SHAHEEN AIR

شہد
میں شِفا ہے
wild flower
organic
honey
Net Wt.
125gm
Net Wt.
250gm
wild flower
organic
honey
AZEEM
Life Sciences
Karachi-Pakistan
عظیمی میڈیکل اسٹور
ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

Sharif Jewellers

Since 1942

حسین اور دلکش زیورات کا مرکز

Passion Art and Quality
are Our Priorities!

shareefjewellers.fsd@gmail.com راجہ چوک ریل بازار، فیصل آباد۔

041-2600607, 0321-6694607, 0321-6688100

SUPER WINGS

SCHOOLS & COLLEGES NETWORK

A Project of Super IGT Educational Society

Post Graduate/ Professional Programs
B.Ed, M.Ed, M.Com, M.A (English)
BS Programs
Mathematics, Botany 4 years
Degree Programs
B.Sc , B.Com, B.A
Intermediate Programs
F.Sc , ICS , I.Com, F.A

FOR
SCHOOL & COLLEGE FRANCHISE
Contact
0300-5143414
0333-5215633

Head Off.: Near Shell Petrol Pump G.T Road Gujar Khan
www.superwings.edu.pk Email: wings.gujarkhan@gmail.com 051-3511292

جلد 5 شمارہ 4 | مئی 2017ء | شعبان ــ رمضان 1438ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

قلندر شعور کراچی

Neutral Thinking

(اردو ــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاءؒ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

بااہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 60 روپے...... سالانہ ہدیہ 820 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ ، بیرونِ پاکستان 60 امریکی ڈالر سالانہ

خط وکتابت کا پتا:

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 6912020 (0)213 92+

۳۷ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ	حفیظ تائبؔ	10
نعت رسول مقبول ﷺ	شاہین فصیحؔ ربانی	11
رباعیات	ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ	12
آج کی بات	مدیر مسئول	14
فقیر کی ڈاک	ادارہ	20
فروری 2017ء کے سرورق کی تشریح	قارئین	23
اصطلاح کا ترجمہ نہیں ہوتا	(یو اے ای) خرم ظفر	27
اساتذہ ــ طالبات وطلبا	گلِ نسرین	33
چار باتیں	خضران سلیم	41
ماہیت قلب	(M.A-Fine Arts) حامد ابراہیم	45
طرحی مشاعرہ	ادارہ	51
شب برات کی حکمت	محمد ذیشان	55
ہرا بھرا عظیمی گلشن	(FCPS_Pathology) ڈاکٹر عمیر ریاض	61
بلیک اینڈ وائٹ دنیا ؍ کیا سورج روشن ہے ــ ؟	(Ph.D.) ڈاکٹر نعیم ظفر	67
باولی کھچڑی	قارئین	71
اور نازل کیا آسمان سے پانی	(یوکے) ڈاکٹر عمران خان	75
شکر اور عرفان نفس	(اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ کمپیوٹر سائنس) قیصر رسول	79

85	ڈاکٹر نگنبم ایشور چندر (Ph.D.)	Ph.D. مقالہ کی تلخیص — بلیک ہولز کیا ہیں ؟
91	نعیم قریشی (M.A-Islamic Studies)	خوش بودار درخت
97	عائشہ خان (M.A-Mass Comm.)	مرشد کی باتیں
101	ماخوذ	حضرت یوشع علیہ السلام
109	سعید انور	انکھوا
111	محمد عدنان خان (M.Sc-Applied Physics)	پرتیاہار
117	نادرہ مبین	تعمیل حکم
123	ادارہ	اقتباسات
125	خانوادہ سلسلہ عظیمیہ	نامے میرے نام
129	سارہ خان (M.A-Mass Comm.)	اللہ میاں کے باغ کے پھول — اللہ ھو اللہ ھو
131	ھدیٰ پیرزادہ	اللہ میاں کے باغ کے پھول — تین سوال
135	خواجہ شمس الدین عظیمی	آپ کے خواب اور ان کی تعبیر
148	Nasser Abbas (UK)	The Autobiography of the Devil (Iblees)
150	Qudsia Lone (Canada)	The Vicegerent
154	Dr. Naeem Zafar (UAE)	The Death and Birth of Oceans
159	Muhammad Zeeshan	The Divine Light of Patience
163	Extracted	Prophet Ayyub (PBUH)
166	Bibi Anuradha (UAE)	Edge of Life
168	Sohaib Rana (UK)	Seed
172	K. S. Azeemi	Message of the Day

حفیظ تائبؔ

حمد باری تعالیٰ

موجود ہر سمت ہے اک ذاتِ الٰہی
دیتی ہیں گواہی یہی آیاتِ الٰہی

اجرامِ فلک ہوں کہ نباتات و جمادات
ہر چیز سمجھتی ہے اشاراتِ الٰہی

جتنے بھی کرشمے نظر آتے ہیں نمو کے
ہر آن کئے دیتے ہیں اثباتِ الٰہی

انساں کے حواس اس کے ہی ارشاد سے قائم
گھیرے ہیں خلائق کو عنایاتِ الٰہی

آفاق در آفاق ہیں انوار اسی کے
امکان در امکان نشاناتِ الٰہی

پابند عناصر ہیں اسی ذات کے تائبؔ
فطرت میں بھی جاری ہیں ہدایاتِ الٰہی

شاہین فصیحؔ ربانی

نعت رسول مقبول ﷺ

حرف حرف عزت ہو، لفظ لفظ مدحت ہو
سوچ سوچ ندرت ہو، شعر شعر حرمت ہو
لہجہ لہجہ امرت ہو، صفحہ صفحہ عظمت ہو
نعت وہ لکھوں جس میں عجز ہو، عقیدت ہو

پھول پھول نکہت ہو، نجم نجم رفعت ہو
زیست زیست چاہت ہو، خواب خواب قربت ہو
روح روح عشرت ہو، قلب قلب الفت ہو
نعت وہ لکھوں جس میں عجز ہو، عقیدت ہو

آپؐ ہی سے نسبت ہو، اس طرح کی قسمت ہو
رنج رنج راحت ہو، درد درد فرحت ہو
چشم چشم حسرت ہو، آپؐ کی محبت ہو
نعت وہ لکھوں جس میں عجز ہو، عقیدت ہو

سوچ ہو، بصیرت ہو، آپؐ ہی کی سیرت ہو
لمحہ تسکیں ہو، لحظہ لحظہ راحت ہو
گاؤں گاؤں خوش حالی، شہر شہر جنت ہو
نعت وہ لکھوں جس میں عجز ہو، عقیدت ہو

زندگی کا رستہ ہو، ایک ہی تمنا ہو
انؐ کے در پہ جانا ہو، اور فصیحؔ ایسا ہو
پاؤں پاؤں چلنا ہو، عمر کی مسافت ہو
نعت وہ لکھوں جس میں عجز ہو، عقیدت ہو

مٹی کے عجائبات

مٹی سے گلاب و یاسمین بنتے ہیں
انسان بھی اسی سے بالیقین بنتے ہیں
مٹی تو ہے یہ مگر اسی مٹی سے
کتنے رخ و زلف نازنین بنتے ہیں

قرآن کریم

''زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں ایک دوسرے سے متصل، انگور کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں کچھ اکہرے اور کچھ دہرے۔ سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر مزہ میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کم تر۔ اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔'' (الرعد:۴)

زمین کے اوپر بظاہر ہر چیز مٹی سے تخلیق ہو رہی ہے۔ گلاب و یاسمین مٹی سے نکل رہے ہیں اور مخلوقات بھی پیدا ہو رہی ہیں۔ سینکڑوں حسیناؤں کے دل فریب پیکر بھی اسی مٹی سے ڈھالے جا رہے ہیں لیکن تخلیق کی اصل طرز وہ ہے جو مٹی کی گہرائی میں کارفرما ہے، مٹی کو مختلف سانچوں میں ڈھال رہی ہے اور مٹی کو روح سے وابستہ کر رہی ہے۔ تخلیق کی یہ طرز اللہ کی مشیت کے تحت کام کر رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مٹی کو مختلف سانچوں میں ڈھالنے والی طرز کون سی ہے جس سے انواع و اقسام کی مخلوقات وجود میں آتی ہیں—؟

یہ تخلیقی روشنی ہے جسے تصوف میں یک رنگ روشنی اور قرآن کریم میں ماء (پانی) کہتے ہیں۔ روشنی دراصل وہ قوت ہے جو مٹی کے پیکر میں جان ڈالتی ہے اور مردہ زمین کو ''سیراب'' کرتی ہے۔ عارف ان چیزوں کا مشاہدہ کر کے خالق کائنات کی قدرت کا اعتراف کرتا ہے کہ اللہ نے ایک ہی مٹی سے بے شمار رنگا رنگ مخلوق پیدا کر کے دنیا میں پھیلا دی ہے۔

اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرماتے ہیں تو زمین پر مختلف اقسام کی روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ آسمان سے نازل ہونے والا پانی ایک ہے لیکن جب پانی زمین میں داخل ہوتا ہے تو مختلف رنگ مظہر بنتے ہیں۔ غور طلب ہے کہ زمین میں داخل ہونے سے پہلے مادی آنکھ پانی میں موجود رنگ نہیں دیکھتی جب کہ پانی میں سارے رنگ موجود ہیں۔ رنگ کیا ہیں—؟ رنگ مقداریں ہیں جن سے شے کی قدروں کا تعین ہوتا ہے۔ گلاب کے پھول کی مقداریں الگ ہیں اور سورج مکھی کا پھول جداگانہ مقداروں کا حامل ہے۔

شناخت کا قانون ہر مخلوق میں کارفرما ہے۔ قانون سے واقف ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کرنا ہے کیوں کہ جو لوگ اللہ کی صفات میں یک سو ہو جاتے ہیں وہ نور علیٰ نور کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔

آج کی بات

خالق کائنات ، اللہ رب العالمین کسی کام کو کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو ''امر رب'' مظہر بن جاتا ہے۔مظاہرہ کا قانون ایک ہے— نام اور تصویریں الگ الگ ہیں۔

نام— چیزوں کی پہچان اور بات چیت میں آسانی کے لئے رکھا جاتا ہے۔عمر ایک ہوتی ہے اور نام بھی ایک ہے لیکن عمر ادوار میں تقسیم ہے جب کہ نام تبدیل نہیں ہوتا۔

مثال: اسد ایک فرد ہے۔ایسا نہیں ہوتا کہ بچپن میں اسد،لڑکپن میں سعد اور بڑھاپے میں سعید ہوجائے۔نام رکھنے سے وہ دوسروں سے منفرد ہوا لیکن ادوار کے حوالہ سے زندگی مزید تقسیم ہوتی رہی۔

جس طرح پھول ایک ہے لیکن جن مراحل سے گزر کر پھول مظہر بنتا ہے،نام تبدیل ہوجاتا ہے۔نام رکھنا دراصل شے کو اس کے تشخص سے الگ سمجھنا ہے۔زیر دانے ، پتیاں،کلی اور پھول — تغیر کے نام ہیں۔ جب تک زیر دانہ کھل کر پھول نہیں بنتا، نام مختلف ہوتے ہیں۔سمجھنے کا ایک اور زاویہ یہ ہے کہ ذہن شے کی وسعت کا احاطہ نہیں کر پاتا لہٰذا جس ترتیب سے خدوخال تبدیل ہوتے ہیں —ترتیب یا تبدیلی کے نام رکھ لیے جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب شے ہر لمحہ تبدیل ہورہی ہے اور ہم تبدیلی کا نام بھی رکھتے ہیں۔پھر تبدیل ہونے والی شے کا نام کیوں تبدیل نہیں ہوتا—؟

شعوری لحاظ سے زمانہ تین حصوں میں تقسیم ہے۔گزرے ہوئے لمحات ماضی ،لمحۂ حاضر کو حال اور وہ لمحات جن کا ظہور ہونا باقی ہے— انہیں مستقبل کہا جاتا ہے۔

رحمت للعالمین حضرت محمدؐ کا ارشادگرامی ہے:

''جو کچھ ہونے والا ہے، قلم اس کو لکھ کر خشک ہو گیا۔'' (مسند احمد)

قلم لکھ کر خشک ہو گیا ـــــ ماضی کی نشان دہی ہے۔ اولی الالباب ذہن ارشادگرامی پر غور کرتا ہے تو نئے نئے زاویوں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

۱۔ واقعات کا ظہور پذیر ہونا کیا ہے ـــــ ؟

۲۔ جو لمحہ ابھی آیا نہیں، وہ ماضی کس طرح ہوا ـــــ ؟

۳۔ بچہ نے بڑھاپا دیکھا نہیں، اور وہ اس دنیا میں موجود ہے، کیا بچہ بھی ماضی ہے ـــــ ؟

۴۔ ماضی کیا ہے ـــــ ؟ سب کچھ ماضی ہے تو پھر حال اور مستقبل کی حیثیت کیا ہوئی ؟

۵۔ اگر حال اور مستقبل کی حیثیت نہیں پھر زندگی کیا ہے ـــــ ؟

ہمارے ذہن میں ماضی کا تصور گزر جانے والا طویل زمانہ ہے جب کہ ماضی طویل نہیں ہے۔ آنکھیں بند کر کے بچپن کا تصور کیجئے۔ کھلونے کے ساتھ کھیلتے یا اسکول یونی فارم میں بچپن کی حرکت کرتی ہوئی تصویر نظر آئے گی۔ ادراک ہوگا کہ وہ دنیا گزر جانے کے باوجود موجود اور سفر میں ہے۔

ماضی کا تصور کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ فلم دیکھ رہے ہیں۔ تصور میں گہرائی پیدا ہوتی ہے اور دیکھنے والا اس دور میں داخل ہو کر یہ بھول جاتا ہے کہ وہ فلم دیکھ رہا ہے۔ وہ خود کو فلم کا حصہ سمجھتا ہے۔ تصور قائم نہ رہنے پر احساس ہوتا ہے کہ ماضی تصورات کا ریکارڈ اور ہم خود ناظر ہیں۔

ماضی کی طرح حال بھی پروجیکٹر پر لگی ہوئی فلم ہے۔ فلم دیکھتے ہوئے کیفیات طاری ہو جاتی ہیں اور ڈھائی گھنٹے بعد فلم ختم ہوتی ہے تو احساس ہوتا ہے کہ فلم الگ اور فلم دیکھنے والا الگ ہے۔ ناظر اسکرین پر حرکت کرتی ہوئی تصویر دیکھ رہا ہے لیکن جب اس کا ذہن اسکرین کو دیکھنے میں یکسو ہوا تو وہ ذہنی طور پر ان تصویروں میں داخل ہو گیا اور مناظر کے مطابق کیفیت تبدیل ہوتی رہی۔

تجزیہ: فلم کے تمام کردار ریکارڈ ہیں جب کہ کہانی مکمل ہو چکی ہے۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ اسکرین پر فلاں شخص نہیں، اس کی تصویر ہے اور تصویر ـــــ عکس ہے۔ وہ شخص اس وقت اسکرین پر نہیں، کہیں اور موجود ہے۔ کہاں ہے، ہم نہیں جانتے۔

جس منزل پر جانا ہو وہ موجود ہوتی ہے۔ کراچی سے لاہور جانے والا جانتا ہے کہ لاہور ایک شہر ہے۔ اگر وہ وہاں نہیں گیا تب بھی وہ شہر موجود ہے جب کہ اس نے نہیں دیکھا۔

جو شے موجود ہے وہ ماضی ہے، اس کو مستقبل کہنا کم فہمی یا لاعلمی ہے۔ خیال آتے ہی ذہن میں لاہور کی تصویر بن جاتی ہے۔ بتانا یہ ہے کہ لاہور ـــــ ماضی ہے۔ واقفیت نہ ہونے کی بنا پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ لاہور موجود نہیں ہے جب کہ موجود ہے۔

اس راز کو پھر سمجھئے۔ کائنات کا ہر جز ماضی ہے۔ سوہن حلوا بنایا جاتا ہے تو حلوا بھی ماضی ہے۔ سب اجزا موجود ہیں ـــــ سوہن حلوا پہلے سے موجود اجزا کا مرکب ہے۔

عمارت کی تعمیر کے لئے درکار چیزوں کو اکٹھا کر کے ترتیب قائم کی جاتی ہے۔ پانی، مٹی، ریت، بجری، لوہا، لکڑی، اوزار، رنگ، بجلی، ہوا، حرارت، ٹھنڈک اور عمارت کا نقشہ ـــــ سب ماضی ہے۔ کیا ماضی سے بنائی ہوئی عمارت کو حال کہا جاسکتا ہے ـــــ؟

ہم روز آفس جاتے ہیں جو متعین مقام پر موجود ہے۔ کہا جائے کہ ٹھیک ہے، آفس ماضی ہے لیکن آفس جانے کی تیاری مستقبل ہے تو کائناتی ذہن کے لئے یہ دلیل قابل قبول نہیں۔ اس لئے کہ جب ہم نے آفس کہا تو اس کے ساتھ خود کو آفس میں دیکھا۔ خیال کے ساتھ تصور قائم ہو جانا اور خود کو اس مقام پر دیکھ لینا کیا ہے ـــــ؟ خیال کی دنیا خیالی نہیں ـــــ قانون ہے۔

خالق کائنات کے ارادہ میں موجود کائنات "ہوجا" کہنے سے مظہر بن گئی۔ ہر شے "کن" کے ساتھ "فیکون" ہو چکی ہے۔ وہ حصہ جس سے ہم واقف ہیں اس کو ماضی کہتے ہیں، جس سے

واقف ہورہے ہیں، اسے حال کہتے ہیں اور جو نظروں سے اوجھل ہے، اس کو مستقبل کہا جاتا ہے۔ زمانہ کی تقسیم ــــ ذہن کی تفہیم ہے۔ حقیقی زمانہ ''کن'' ہے جو ازل تا ابد ریکارڈ ہے۔

کائنات میں ہر شے لامحدود ہے، ذہن اس کا احاطہ نہیں کرتا اس لئے مختلف نام رکھ لئے گئے ہیں۔ دن ایک ہے لیکن ہر دن کے مختلف نام ہیں۔ نام کو بار بار دہرایا جاتا ہے ــــ سورج اور چاند کا نکلنا ایک ہے۔ جمعہ پہلے کئی بار گزر چکا ہے، آنے والے جمعہ کو مستقبل کیسے کہا جائے ــــ؟

نام اس لئے رکھا جاتا ہے کہ شے کا ریکارڈ ذہن سے محو نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مجموعی طور پر ایک نام رکھنے کے بعد ثانوی نام رکھے جاتے ہیں (مثلاً بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا) تاکہ ریکارڈ یا تشخص سے تعلق قائم رہے۔ شے کا مجموعی نام یا تشخص ــــ ماضی ہے۔

لمحہ آنے والے لمحہ سے جڑا ہوا نہ ہو تو موجودہ لمحہ کا تشخص ختم ہو جائے گا۔ تشخص یا شناخت کا تعلق ماضی سے ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل میں ربط ہے اور یہ تعلق ــــ اللہ کا نور ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

''جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ کر قلم خشک ہو گیا۔'' (مسند احمد)

میرے مرشد کریم ــــ قلندر بابا اولیاءؒ ''لوح و قلم'' میں فرماتے ہیں:

''اس حدیث سے ماضی کے علاوہ زمانہ کا کوئی اور اسلوب معلوم نہیں ہوتا۔ حال اور مستقبل دونوں ماضی ہی کے اجزا ہیں۔ یہاں سے کائنات کی ساخت کا بالمشافہ سراغ ملتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے 'ہوجا' اور وہ ہوجاتی ہے۔'' (یٰسٓ : ۸۲)

اس آیت میں ارادہ کی ماہیت اور اجزا کا بیان ہے۔ معلوم نہیں پہلے لوگوں نے ماہیت کو کس معنی میں استعمال کیا لیکن ہم اس لفظ میں نور کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ

لامتناہی نور ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے امر کی وضاحت کی ہے۔ یہ ارشاد کہ میں جس چیز کو حکم دیتا ہوں ہونے کا، وہ ہوجاتی ہے،اس بات کی تشریح ہے کہ امرالٰہی کے تین حصے ہیں:

نمبر۱۔ ارادہ   نمبر۲۔جو کچھ ارادہ میں ہے یعنی شے   نمبر۳۔پھر اس کا ظہور

اللہ تعالیٰ کے الفاظ سے یہ چیز پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں پہلے سے ان کے علم میں موجود ہے۔ چناں چہ جو کچھ موجود ہے وہ ماضی ہے۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماضی کی مقدار کیا ہے___؟ ہمارے پاس ماضی کی مقدار کو سمجھنے کی بہت سی طرزیں ہیں ۔ روشنی کی دنیا میں ایک سیکنڈ کا طول ایک لاکھ چھیاسی ہزار دوسو بیاسی میل بتایا جاتا ہے۔کائنات کے ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل جس مکانیت پر مشتمل ہیں بیک وقت اس مکانیت کے اندر کتنے اعمال اور افعال یعنی حوادث رونما ہوئے اس کا اندازہ محال ہے۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ ایک سیکنڈ کے اندر تمام کائنات میں جتنے افعال سرزد ہوسکتے ہیں وہ محض ایک ہی سیکنڈ میں واقع ہونے والے حوادث ہیں۔ اگر کسی طرح ان افعال کا شمار ممکن ہوتو معلوم ہوسکتا ہے کہ ایک سیکنڈ کی وسعتیں کتنی ہیں۔ یہ بات غورطلب ہے کہ ایک سیکنڈ کے کائناتی حوادث تحریر میں لانے کے لئے یقیناً نوع انسانی کو ازل سے ابدتک کی مدت چاہئے۔اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ ایک سیکنڈ ازل سے ابدتک کی مدت کے برابر ہے تو اس دعویٰ میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جب ازل سے ابدتک ایک ہی سیکنڈ (لمحہ) کارفرما ہے تو زمان متواتر کا مفہوم کچھ نہیں رہتا۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے *شیئون ہی زمان کی حقیقت ہیں۔''

خواتین وحضرات! کسی بات کو سمجھنے کے لئے دو طرزیں ہیں۔

۱۔ یک سوئی کے ساتھ مضمون یا تحریر کو پڑھنا   ۲۔ پڑھنے کے بعد تفکر کرنا

پڑھنا عام طرز گفتگو ہے۔ پڑھ کر مضمون کا مفہوم ذہن میں نقش ہوجانا ایسی طرز ہے جو اولی الالباب خواتین وحضرات کا وصف ہے۔ وصف کیا ہے___؟ وصف دراصل کسی بات کی

کنہ تک پہنچنا ہے۔اولی الالباب خواتین وحضرات جب ذہنی یک سوئی کے ساتھ تفکر کرتے ہیں تو معنی اور مفہوم خیال کی حدود سے نکل کر تصور بن جاتے ہیں۔

''آج کی بات'' لکھنے میں ماورائی ذہن کا عکس کچھ زیادہ نمایاں ہوگیا ہے۔

خلاصہ بیان کیا جائے تو اس طرح کہا جائے گا کہ کائنات کے اسرار و رموز حدیث شریف کے مطابق ''قلم لکھ کر خشک ہوگیا'' کی تشریح ہیں۔اولی الالباب خواتین وحضرات تفکر کے دریائے ناپیدا کنار میں داخل ہوتے ہیں تو ذہن میں ایک دروازہ کھلتا ہے۔دروازہ کے اس پار کائنات کی تخلیق اس طرح نظر آتی ہے —

۱۔ توہم (ادراک کا انتہائی لطیف درجہ) ۲۔ خیال ۳۔ تصور ۴۔ تصور کا دماغی اسکرین پر مظاہرہ

۵۔ اور اسکرین پر رنگ برنگ متحرک تصویروں کا شعوری مظاہرہ

محترم خواتین وحضرات! التماس ہے کہ ''آج کی بات'' دو یا تین مرتبہ تفکر کے ساتھ پڑھ کر ذہن میں جھماکا ہوسکتا ہے۔براہ کرم ادارہ کو اپنی لطیف کیفیات میں حصہ دار بنائیں۔

* تخلیقات

اللہ حافظ

خواجہ شمس الدین عظیمی

دنیا میں جو کچھ ہے یا آئندہ ہونے والا ہے یا گزر چکا ہے، سب خیالات کے اوپر رواں دواں ہے۔اگر ہمیں کسی شے کے بارے میں اطلاع ملتی ہے، بالفاظ دیگر اس شے کا خیال آتا ہے تو وہ شے ہمارے لئے موجود ہے۔اگر ہمیں اپنے اندر میں سے کسی شے کے بارے میں اطلاع نہیں ملتی یا اس کا خیال نہیں آتا تو وہ ہمارے لئے موجود نہیں ہے۔کوئی مصور بنا چاہتا ہے تو پہلے ذہن میں مصور بننے کا خیال آتا ہے کہ مجھے تصویر بنانی ہے۔بڑھئی کے ذہن میں بڑھئی بننے کا خیال آتا ہے۔ہر علم کی یہی نوعیت ہے۔اطلاع آنا اس بات کا مظہر ہے کہ یہاں کوئی شے یا علم نیا نہیں — سب کچھ پہلے سے موجود ہے۔

فقیر کی ڈاک

اسرار ورموز سے واقفیت کی کنہ غور وفکر ہے۔غور وفکر سے ذہن میں سوالات ابھرتے ہیں۔سوال ـــــ جواب تک رسائی ہے۔''فقیر کی ڈاک'' روحانی علوم کی آبیاری کی ایک کڑی ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی جانب سے علمی سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ قارئین نے اس سلسلہ کو سراہا ہے۔ماضی کے اوراق سے ایسا ہی ایک خط پیشِ خدمت ہے۔ (ادارہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کی ایک تحریر نظر سے گزری جس میں آپ نے دن اور رات کا تعلق روحانیت سے جوڑا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام میں بنایا۔ ظاہر ہے کہ ان ایام کا تعلق مادیت سے ہے۔وضاحت فرمادیں۔

شکریہ، تسنیم اقبال

(سوال مختصر کر کے لکھا گیا ہے ـــــ ادارہ)

عزیز مکرم بھائی تسنیم اقبال صاحب، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

میرے محدود علم کے مطابق قرآن پاک تین عنوانات کی دستاویز ہے۔ ہر عنوان میں اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی۔وہ تین عنوانات یہ ہیں۔ ۱۔ معاشرت ۲۔ تاریخ ۳۔ معاد

جس مضمون کے اوپر آپ نے نہایت محققانہ، عالمانہ گرامی نامہ تحریر فرمایا ہے وہ معاد کے تحت لکھا گیا ہے۔

قرآن کریم میں دوحواس کا تذکرہ وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے اور یہ دوحواس قرآن کریم کی زبان میں ''لیل'' اور ''نہار'' (دن، رات) ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان پر ایک وقت ایسا گزرا ہے جب وہ ناقابل تذکرہ شے تھا، ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور وہ سنتا، دیکھتا ہوگیا۔روح جب تک مادی اجسام میں خود کو متحرک یا اپنا میڈیم بنائے رکھتی ہے، حرکت قائم رہتی ہے۔جیسے ہی روح مادی وجود سے رشتہ منقطع کر لیتی ہے، مادی وجود کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں جو بھی پیدا ہوتا ہے بالآخر مرجاتا ہے اور جب وہ مرجاتا ہے یعنی روح، جسم سے رشتہ منقطع کر لیتی ہے تو باوجود یہ کہ اعضا موجود ہوتے ہیں، حرکت ختم ہو جاتی ہے۔

اس طرح کہیں گے کہ مادی وجود کا قیام اس وقت تک ہے جب تک روح اسے سنبھالے رکھتی ہے۔ مثال دینے کی ضرورت تو نہیں ہے لیکن بات آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ جائے اس لئے مثال پیش خدمت ہے — مادی جسم کی حفاظت کے لئے، مادی جسم کے آرام کے لئے اور مادی جسم کی زینت کے لئے انسان لباس بناتا ہے۔ لباس اون کا ہو، سوت کا ہو یا کسی بھی چیز کا — روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جسم کے اوپر قمیص جب تک ہے آستین ہلتی ہے — لباس چارپائی پر ڈال دیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ حرکت کرو تو کسی قسم کی حرکت نہیں ہوتی جیسے روح کے بغیر مادی جسم میں حرکت نہیں ہوتی۔ مثال سے یہ ثابت ہوا کہ مادی جسم دراصل روح کا لباس ہے۔ ایسا لباس جو روح کے بغیر کھاتا ہے نہ پیتا ہے، سوتا ہے نہ جاگتا ہے اور نہ حرکت کرتا ہے یعنی انسان کی اصل روح ہے، مادی جسم نہیں۔ جسم ہیولا ہے۔ ایسا ہیولا جو ذاتی حیثیت میں قائم نہیں بلکہ روح کے تابع ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ ہم رات کو دن میں داخل کر دیتے ہیں اور دن کو رات میں داخل کر دیتے ہیں۔ رات کو دن پر سے ادھیڑ لیتے ہیں اور دن کو رات پر سے ادھیڑ لیتے ہیں۔ رات کو دن میں سے نکالتے ہیں اور دن میں سے رات کو نکالتے ہیں۔ دراصل یہ شعور کی درجہ بندی کا تذکرہ ہے۔

انسان کے اندر ہمہ وقت ''معاد'' کے نقطۂ نظر سے دو حواس یا دو شعور یا دو صلاحیتیں ہر وقت کام کرتی ہیں۔ ایک حواس یا شعور کا نام دن ہے اور دوسرے حواس یا شعور کا نام رات ہے۔ رات کے حواس میں انسان زمان اور مکان سے آزاد زندگی بسر کرتا ہے — دن کے حواس میں انسان زمان اور مکان میں بند زندگی گزارتا ہے۔ دن کے حواس عارضی اور فکشن ہیں جو مرنے کے بعد معطل ہو جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد بندہ مادی حد بندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ مٹی کے ذرات سے بنے ہوئے جسم کا سہارا نہیں لینا پڑتا۔

عزیز محترم تسنیم اقبال صاحب! آپ نے پتہ نہیں کس طرح ایام کو مادیت سے تعبیر کیا ہے — اگر آپ اس بات کی تشریح کر دیتے کہ چھ ایام میں مادیت کا کیا عمل دخل ہے اور ہم ایام کو کس طرح مادی وجود میں بیان کر سکتے ہیں تو بڑا کرم ہوتا۔ اگر یہ بات طے ہو جاتی کہ چھ ایام مادی تخلیق کی دلیل ہیں تو یہ بات بھی سامنے آ جاتی کہ سات آسمانوں کی حیثیت کیا ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے کہ ہم نے قرآن کریم میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کی وضاحت کر دی ہے۔ مجھے اس بات پر بہت خوشی ہے کہ اللہ نے آپ کو بہت روشن دماغ عطا کیا ہے۔ آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ قرآن کریم میں ''معاد'' کے عنوان کے تحت تفکر فرمائیں۔

میں بہت چھوٹا سا اور محدود علم رکھنے والا بندہ ہوں، علمی موشگافیوں کا مجھے نہ تجربہ ہے اور نہ اپنے اندر اتنی

صلاحیت دیکھتا ہوں کہ بال کی کھال نکال لاؤں۔

پیرومرشد کی ضرورت کا جہاں تک تعلق ہے اس کے پیچھے یہ دلیل ہے ــــ کوئی بھی علم استاد کے بغیر نہیں سیکھا جاسکتا۔ ''معاد'' کا علم چوں کہ رات کے حواس سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ہمیں اگر رات اور دن کے حواس کے بارے میں ، چھ دن اور سات آسمانوں کے بارے میں ، عرش ، بیت المعمور، سدرۃ المنتہیٰ ، کتاب المبین ، حجاب عظمت، حجاب کبریا، حجاب محمود، مقام محمود ، تجلی اور تدلیٰ کے بارے میں علم سیکھنا ہے تو ہمیں مرشد کی ضرورت ہوگی اور اگر ہم یہ علم نہ سیکھنا چاہیں، مرشد کی کوئی ضرورت نہیں۔

اللہ آپ کے علم میں مزید اضافہ فرمائے اور ہم سب کو دنیاوی علوم کے ساتھ روحانی علوم (معاد) سیکھنے کی صلاحیت عطا کرے، آمین۔ مرسلہ گرامی نامہ کے جواب میں تاخیر کی بہت ساری وجوہات ہیں۔

o کراچی/ ملک سے باہر قیام o بیماری اور ذاتی مصروفیات o چوتھی بین الاقوامی روحانی کانفرنس کی تیاری اور اس کا انعقاد o دوسری سالانہ روحانی ورکشاپ۔

امید ہے کہ آپ میری معذرت کو قبول فرمائیں گے۔ خصوصی اوقات میں آپ سے دعا کی درخواست ہے۔

دعا گو، عظیمی

(3، مارچ 1994ء)

''قاضی علام مصطفیٰ بہاول پوری نے خدمت اقدس میں عرض کیا، حضور میرے شیخ کا وصال ہو چکا ہے۔ آپ مجھے کوئی وظیفہ بتا دیجئے۔ فرمایا، جو کچھ تمہیں اپنے پیر سے ملا ہے اسی پر کاربند رہو۔ قاضی صاحب نے عرض کیا، وہ تو میں تین سال سے پابندی کے ساتھ کر رہا ہوں۔ فرمایا، اس کا کچھ فائدہ بھی محسوس ہوا؟ عرض کیا، جی ہاں! بہت فائدہ ہوا۔ فرمایا، تو بس اور چیز کیوں طلب کرتے ہو، اسی کو کئے جاؤ۔ اس کے بعد فرمایا کہ دراصل فائدہ کا بھی خیال نہیں کرنا چاہئے۔ اصل بات اللہ کا ذکر ہے۔ اللہ کے ذکر میں خوب مشغول رہو۔ یہی بڑی عنایت ہے کہ اللہ نے اپنے ذکر میں لگا رکھا ہے۔ باقی کشف وکرامات، ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا سب بھان متی کا کھیل ہے۔ اس میں نہیں پڑنا چاہئے۔ وہ تو صرف حوصلہ افزائی کے لئے کبھی کبھی جھلک دکھا دیتے ہیں ورنہ اصل مقصود یہ نہیں ہے ــــ مقصود اللہ کی یاد ہے۔'' (کتاب: تربیۃ العشاق)

سرورق کی تشریح

روحانیت مخصوص طرزِ فکر ہے جس کی بنیاد ''صبغت اللہ'' ہے۔ روحانی اسکول میں داخل ہوتے وقت مرید عہد کرتا ہے کہ میرے اندر روحانی استاد کی طرزِ فکر منتقل ہو جائے۔ تربیت کی ابتدا خود سپردگی سے ہوتی ہے۔ مراد کا کام ہے کہ مرید کی ذاتی طرزِ فکر کے نقوش آہستہ آہستہ ہلکے کر کے اس کے اندر اپنی طرزِ فکر منتقل کر دے۔ جب روحانی استاد — شاگرد سے محبت کرتا ہے تو محبت کی روشنیوں سے مرید کے اندر مراد کا عشق پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ہر جگہ اور ہر وقت خود کو مرشد کے ہم راہ دیکھتا ہے۔ عشق میں گہرائی کی مناسبت سے استاد کا قرب عطا ہوتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ مرید — مرشد کا عکس بن جاتا ہے۔ اللہ والوں کی نگاہ بیداری کا پیغام دیتی ہے کہ ہم کیا ہیں، کیوں ہیں، کہاں ہیں اور مرشد کیا ہے؟ لطائف مرشد کے رنگ سے رنگین ہو جاتے ہیں۔ اس طرح فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کے مدراج طے ہوتے ہیں۔

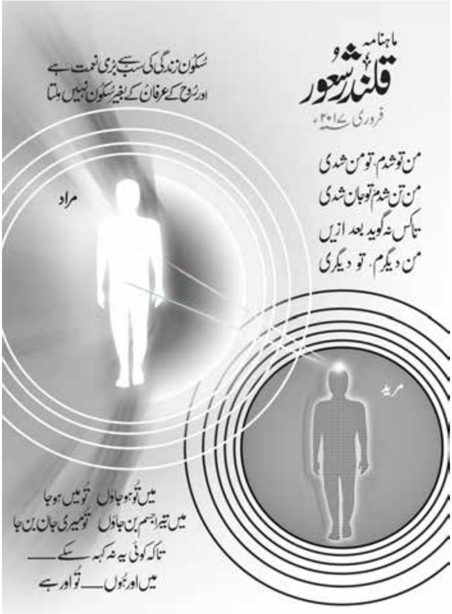

؎ الجھی تھی عقل و ہوش میں ساغرِ حیات
میں لے کے تیرا نام فنا سے گزر گیا

لطائف روح کے مراکز ہیں جہاں کائناتی روشنیوں کا نزول ہوتا ہے۔ انسان کو علم الاسما عطا کیا گیا ہے جس سے واقف ہونے کے لئے ذات کا عرفان ضروری ہے۔ مرید اپنی نفی کر کے مراد سے فیض پاتا ہے جیسے بیج مٹی میں ملا تو گل و گلزار ہو گیا اور گلستان کو مہکا دیا۔ پروانہ دیوانہ وار شمع کی طرف لپکتا ہے اور شمع میں جل کر روشنی بن جاتا ہے۔ (یاسمین گل۔ فیصل آباد)

بے لوث ہستی کی راہ نمائی میں مرید عرفان کی راہ پر گام زن ہوتا ہے تو اس کی ''میں'' اس طرح ختم ہو جاتی ہے کہ محدودیت باقی نہیں رہتی۔ پھر مرید کی شناخت اپنی ''میں'' سے نہیں — مراد سے ہوتی ہے۔ وضاحت کے لئے مثال ملاحظہ ہو۔ آم پھلوں کا بادشاہ ہے لیکن ہر آم قلمی نہیں ہوتا۔ قلمی یا خاص بنانے کے لئے آم کی گٹھلی کو گملے میں ڈالا جاتا ہے، پانی دیا جاتا ہے۔ پودا بڑا ہوتا ہے تو گملے کو قلمی آم کے درخت سے لٹکاتے ہیں۔ پودے کے جسم میں شگاف ڈالا جاتا ہے۔ ایسا شگاف قلمی یا خاص درخت کی شاخ میں بھی ڈالا جاتا ہے۔ دونوں شگاف زدہ حصوں کو ملاتے ہیں۔ پھر تھوڑی سی مٹی لگا کر کپڑے کی دھجی سے باندھ دیتے ہیں اور روزانہ پانی سے تر کرتے ہیں۔ قلمی درخت کے سائے میں وہ کچھ عرصہ تک رہتا ہے۔ شاخ میں سے نئے پتے نکلتے ہیں تو قلمی درخت سے ملی شاخ کاٹ دی جاتی ہے۔ اس عمل میں پودے کو تو تکلیف نہیں ہوتی البتہ قلمی درخت کو ضرور ہوتی ہے جیسے انگلی کٹ گئی ہو۔ پھر گملا اتار کر درخت کے سائے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اب گملے میں دو شاخیں ہیں — ایک اپنی نسل یا بیج کی، دوسری اپنے خاندان کی۔ بعض اوقات پودا قلمی درخت کے تشخص کو قبول نہیں کرتا تو قلمی شاخ سوکھ جاتی ہے۔ ایسا پودا جڑ بھی پکڑ لے — پھل دانت کھٹے کر دینے والا اور ریشہ دار ہوتا ہے۔ جب مالی پودے کو پانی دیتا ہے تو بیج کی پتیاں ختم کر کے قلمی شاخ کی پتیوں کو باقی رہنے دیتا ہے اور اس کی شناخت تبدیل ہو جاتی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ درخت کی حیثیت ابتدا میں عام درخت کی تھی لیکن مالی کی توجہ، محنت، صبح و شام کی کوشش سے خاص ہو گئی — اب اس کی شناخت اعلیٰ درخت سے ہے۔ ایسے درخت کا پھل لذیذ اور شیریں ہوتا ہے اور خوش بو دور تک پھیلتی ہے۔ مراد اور مرید کی مثال بھی ایسی ہے۔ مرید — مراد کے خلوص اور ایثار کے تاروں سے بندھا ہوا ہے۔ باادب بانصیب ہو تو مراد کا عکس منتقل ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ مرید نورانیت سے معمور ہو کر مراد سے یک جان دو قالب ہو جاتا ہے۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ہو نفی اثبات دا پانی ملیا، ہر رگے ہر جائی ہو (سید اسد علی۔ کراچی)

''اور جو لوگ مجھ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھا دیتے ہیں۔'' (العنکبوت: ۶۹)

مرشد یا مراد وہ محترم ہستی ہے جسے اللہ کی دوستی کا شرف عطا ہوتا ہے۔ مراد عشق الٰہی اور عشق نبیؐ کی منزل پا کر نوع انسانی کے لئے سراپا خیر بن جاتا ہے۔ وہ ایسا آئینہ ہے جو مرید کے دل کو صیقل کر کے نور سے متعارف کرتا ہے۔ روحانیت کے راستہ پر قدم رکھنے والا کنہ کو جاننے کا ذوق رکھتا ہے مگر منزل تک رسائی کا علم نہیں ہوتا، ایسے میں مرشد راہ نما بنتا ہے۔ مرید خدمت میں آ کر فکر سلیم کی روشنی ڈھونڈتا ہے۔ توجہ اور تصرف سے منزلیں آسان ہوتی ہیں اور مرید اور مراد کا رشتہ ''من تو شدم تو من شدی'' بن جاتا ہے۔ (غزالہ شریف۔ کراچی)

اللہ تعالیٰ نے آدم کے پتلے میں اپنی روح پھونکی تو علوم کی منتقلی عمل میں آئی۔ جنت میں آدمؑ پر لاشعوری حواس غالب تھے جس کی وجہ سے جسم انوار سے معمور تھا۔ یہی انسان کا ازلی شرف ہے کہ وہ کائنات کے قوانین سے واقف ہوکر اللہ کی نیابت کا امین بن جائے۔ چناں چہ حقیقت سے واقف ہوجانے والے بندے اللہ کی مشیت کے ساتھ مخلوق کو حقیقت سے روشناس کراتے ہیں۔ روحانی ماہرین نے کائناتی علوم کو چھ دائروں میں تقسیم کیا ہے اور ہر دائرہ مکمل علم ہے۔ مراد کے لئے کائنات مسخر ہوجاتی ہے۔ ایسی ہستی کے زیراثر تربیت پانے والے افراد پر کائناتی قوانین کا انکشاف ہوتا ہے۔ بات ذوق وشوق اور مراد سے محبت کی ہے اور محبت اپنی نفی کے علاوہ کچھ نہیں۔

فروری 2017ء کے سرورق کا رنگ جامنی ہے جس سے ذہن میں لطیفہ اخفیٰ کے رنگ کا خیال آیا۔ کم لوگ اس درجہ پر پہنچتے ہیں۔ البتہ واقف ہونے کا وسیلہ مراد ہے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔

مراد کائناتی علوم سے واقف ہوتا ہے اس لئے مفرد اور مرکب روشنیوں کے جسم کے باوجود نور غالب اور جسم مغلوب رہتا ہے یعنی جنت کے حواس کا غلبہ ہوتا ہے۔ (زبیر احمد۔ کراچی)

سرورق میں مرید اور مراد کے ذہنی، قلبی اور روحانی تعلق کی وضاحت کی گئی ہے۔ باطنی قربت زمان ومکان کی حدبندیوں سے آزاد ہے۔ تعلق کی بنیاد وہ روشنیاں ہیں جو مراد سے مرید میں منتقل ہوتی ہیں اور طرزِ فکر بنتی ہے۔ زندگی کی نہج ایک ہوجاتی ہے جس سے مادی اور باطنی دنیا کے درمیان توازن قائم ہوتا ہے۔ مراد لامحدود دنیا کا مکین ہے اس لئے مرید جب باادب بانصیب ہوتا ہے تو لامحدودیت میں داخل ہوجاتا ہے۔ (احمد نواز۔ اٹک)

اس مشہور رباعی میں شاعر نے روحانیت سیکھنے کا بہترین طریقہ بیان کیا ہے۔ عظیمی صاحب اکثر مثال پیش کرتے ہیں کہ بچہ کو مادری زبان سیکھنے کے لئے حروفِ تہجی سیکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے نہ اسکول جانے کی۔ بچہ — ماں باپ کا عکس ہے۔ وہی زبان بولتا ہے جو ماں باپ بولتے ہیں اور ماحول میں رائج ہے۔

پیدائش کے بعد بچہ کا ذہن ماں پر مرکوز ہوتا ہے۔ نتیجہ میں ماں کے تصورات اور مادری زبان منتقل ہوتی ہے۔ روحانیت میں مراد اور مرید کا رشتہ ماں اور اولاد کا ہے۔ مرید کے لئے شیخ بمثل ماں ہے۔ روحانیت میں بھی طرزِ فکر کی منتقلی کے لئے تصورِ شیخ کا اصول کارفرما ہے۔ شیخ منزل رسیدہ ہوتا ہے اس لئے مرید خود کو شیخ کی ذات میں فنا کردے تو "من تو شدم تو من شدی" بن جاتا ہے۔ (محمد عاشق۔ ایبٹ آباد)

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری برائے خواتین

پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی، لاہور

فری ممبرشِپ

فری مطالعہ

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ وطالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی
نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

خرم ظفر

اصطلاح کا ترجمہ نہیں ہوتا

حضیرہ اور کہکشاں ہم معنی الفاظ ہوتے تو حضیرہ کی جگہ کہکشاں استعمال کیا جاتا لیکن قلندر بابا اولیاؒ نے حضیرہ کا لفظ استعمال کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضیرہ کی تعریف کچھ اور ہے۔

کوئی علم اور فن ایسا نہیں جس کے لئے اصطلاحات وضع نہ ہوئی ہوں۔ فہم کی راہ نمائی اور حقیقت تک رسائی کے لئے اصطلاحات کا سمجھنا ضروری ہے۔ گویا ہر علم و فن اصطلاحات کا محتاج ہے۔

اصطلاحات لفظ اصطلاح کی جمع ہے۔ لغت میں اس کے معنی علم و فن میں ماہرین کا کسی لفظ کے عام معنوں کے علاوہ خاص مفہوم مقرر کر لینا ہے۔ اصطلاحات کے دو بنیادی اقسام ہیں۔

★ یہ دوسری زبان کے ایسے الفاظ ہو سکتے ہیں جو اس زبان میں الفاظ کی کمی کی وجہ سے شامل کئے جاتے ہیں۔ مثلاً اردو میں لی بی ڈو، بینک، مشین، انجن وغیرہ کا استعمال جو در اصل انگریزی کی اصطلاحیں ہیں۔

★ یہ ایسے الفاظ اور مرکب ہیں جو مخصوص سیاق و سباق میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً تھوک منڈی، افراط زر، تصور شیخ وغیرہ۔

اسے علم المصطلحات، علم اصطلاحات یا صرف اصطلاحات بھی کہا جاتا ہے۔ ذیل میں چند اقسام ہیں۔

رباعی، رزمیہ، رومانیت، افسانوی تکنیک وغیرہ ادبی اصطلاحات ہیں۔ نبض شناسی، قارورہ، سودا گلِ حکمت، کشتہ وغیرہ طبی اصطلاحات ہیں۔ تھوک منڈی، خردہ منڈی، افراط زر، دوہرا اندراج، توازنِ تجارت وغیرہ اقتصادی اور مالیاتی اصطلاحات ہیں۔ تصور شیخ، جذب و سلوک، لطائف، ولی، غوث، سیر الی اللہ، فنا و بقا وغیرہ تصوف کی اصطلاحات ہیں۔

اصطلاحات کے لغوی معنی موجود ہوتے ہیں لیکن مخصوص اقسام میں استعمال کی جائیں تو ان کا اپنا ''سیاق و سباق'' ہے۔ سیاق و سباق کا مطلب مضمون کا اپنے ماقبل سے ربط اور تسلسل ہے۔ ایسے میں اقسام اور سیاق و سباق کے مطابق تعریف کو سمجھنا ضروری ہے ورنہ علم ناقص رہ جائے گا۔ دوسرے علوم کی اصطلاحات کو ہم ویسے ہی استعمال کرتے ہیں جیسی وہ ہیں لیکن تصوف کی اصطلاحات کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جب کہ تصوف مادی حواس سے ماورا، مشاہداتی علم ہے اور مشاہدہ کو سو فی صد الفاظ میں بیان کر دینا یا ان لوگوں کو سمجھانا جن کا مشاہدہ نہیں ہے، ممکن نہیں — مثالوں یا

اصطلاحات سے مدد لی جاتی ہے۔ جو شے مادی حواس سے ماورا ہے، اس کی وضاحت تو کی جاسکتی ہے لیکن دوسری زبان میں ترجمہ ممکن نہیں۔ آیئے اس سلسلہ میں مختلف زبانوں کی رائج اصطلاحات کا جائزہ لیتے ہیں اور پھر علم تصوف کی طرف آتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ یوگا وید سے پہلے کا علم ہے۔ یہ لفظ تقریباً ہر زبان میں یوگا (Yoga) بولا جاتا ہے یعنی اس کا دوسری زبان میں ترجمہ نہیں کیا گیا۔ اردو میں بھی یوگا اور انگریزی میں بھی یوگا رائج ہے جب کہ دوسری زبانوں میں ایسے الفاظ موجود ہیں جن کو بطور مفرد یا مرکب استعمال کرنے سے لفظ یوگا کا مقصد پورا ہوجاتا۔ مثلاً انگریزی میں Meditation Exercise ہوسکتا تھا۔

یوگا مخصوص نشست کے ساتھ مخصوص انداز میں سانس کی مشق اور اس دوران مطلوبہ تصور کرنے کا نام ہے۔ ماہرین لسانیات بیان کی گئی تعریف کو مدنظر رکھ کر اپنی زبان میں مرکب لفظ بنا سکتے ہیں لیکن یوگیوں کے مطابق ایسا کرنے سے لفظ یوگا محدود ہوجائے گا۔ اس لئے دوسری زبان بولنے والوں کے لئے یوگا کو سمجھایا اور اس کے طریقہ کار کو عام کیا گیا۔ یہ لفظ کئی زبانوں میں اصطلاح کے طور پر رائج ہے اور لغت میں شامل ہے۔ کسی کو اس کے استعمال پر اعتراض نہیں بلکہ یوگا جس زمرہ اور زبان کا لفظ ہے، اسے ان معنوں میں سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دوسری مثال ''چکرہ'' کی ہے۔ سنسکرت میں چکرہ کے معنی پہیہ یا ٹکیہ کے ہیں۔ چکرہ کے عمومی معنی ''چکر کھاتی ہوئی'' یا ''گولائی میں'' لئے جاسکتے ہیں۔ اس کا ترجمہ دیگر زبانوں میں ممکن ہے۔ مثلاً سرکل، ٹائر، روٹیٹنگ سرکل، وغیرہ لیکن یوگا میں یہ لفظ اصطلاحی طور پر استعمال ہوتا ہے جس کے معنی توانائی کا پہیہ (Wheel of Energy) ہیں۔ اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا اور ہر جگہ تذکرہ میں اصل حالت برقرار رکھی گئی۔ سمجھانے کے لئے اس کی حالتیں، تعریف، کام کی نوعیت، فوائد اور مثالیں بیان کی گئیں۔ ساتھ ساتھ کون سے چکرہ کے کیا خواص ہیں اور ان کو کیسے متحرک کیا جاسکتا ہے۔ چکرہ کا لفظ اب ہر زبان میں اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ باوجود یہ کہ معنی دنیا کی ہر زبان میں دستیاب ہیں مگر جب تذکرہ کرنا ہو تو گھومتا توانائی کا پہیہ، Wheel انرجی وغیرہ استعمال نہیں کرتے — چکرہ کہتے ہیں۔

انگریزی زبان میں پندرھویں صدی کے بعد سے اب تک اردو اور ہندی کی بہت سی اصطلاحات نافذ ہوچکی ہیں۔ مثلاً اردو یا فارسی کا لفظ کمربند انگریزی میں 1616ء میں رائج ہوا۔ کمر پہ باندھنے والی چوڑی پٹی کو Cummerbund کہتے ہیں۔ طوفان کو Typhon، گرو کو Guru، ڈکیت سے Dacoit، کھاٹ سے Cot، بنگلہ سے Bungalow، نروان (بدھ مت) سے Nirvana وغیرہ۔

سب کا تجربہ ہے کہ بعض اوقات محسوس ہوتا ہے جس کیفیت میں ہم ہیں یا جس ماحول میں موجود ہیں اور جو کام کر رہے ہیں یا جو کچھ ہو رہا ہے، اس تجربہ سے ہم پہلے گزر چکے ہیں۔ اس کیفیت کے لئے فرانسیسی اصطلاح Deja Vu ہے جو انگریزی میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ حالاں کہ اس کیفیت کو انگریزی میں بآسانی بیان کیا جاسکتا ہے اس کے باوجود فرانسیسی اصطلاح مستعمل ہے۔

راہ تصوف کے امور مادی محسوسات سے بالاتر ہیں۔ سالک کی ترقی کا انحصار لاشعوری حواس کے ذریعہ حقائق و رموز کو سمجھنا ہے تاکہ اس پر تصوف کی دنیا منکشف ہو۔ اس لئے اس علم میں بطور خاص اصطلاحات کی ضرورت ہے۔ کسی مضمون کی بنیاد تک رسائی کے لئے ضروری ہے کہ ظاہر و باطن، الفاظ و معانی، پوست و مغز، صورت و کیفیت سے پوری آگاہی ہو۔ خزانہ بنیاد میں ہوتا ہے اور عمارت خزانہ کو مخفی رکھنے کا ذریعہ ہے۔ اصطلاحات بھی علم کے کسی درجہ یا حصہ کا ایک یا دو الفاظ میں احاطہ ہیں۔

سلسلہ عظیمیہ کے لٹریچر میں متعدد اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، ان میں سے ایک حضیرہ ہے۔ امام سلسلہ عظیمیہ ابدال حق قلندر بابا اولیاؒ نے نظام کائنات میں عالمین کی تعداد اور ان میں جاری نظام کے سلسلہ میں اس کا استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ جہاں استعمال کیا گیا وہ باب من و عن لکھنا ضروری ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

ایک کتاب المبین۔

اس میں تیس کروڑ لوح محفوظ۔

ہر لوح محفوظ میں اسی ہزار حضیرے۔

ہر حضیرہ میں ایک کھرب آباد نظام اور بارہ کھرب غیر آباد نظام۔ ہر نظام ایک نظام شمسی ہے جس میں 9، 12 یا 13 سیارے ہوتے ہیں۔ ہر نظام میں انسان، جنات اور فرشتے اور دیگر مخلوقات آباد ہیں۔

قارئین! لفظ حضیرہ پر غور کریں۔ اکثر لوگوں نے سوالات کئے کہ کیا حضیرہ سائنس کی دریافت کردہ کہکشاں (Galaxy) ہے یا Milky Way ہے؟ کیا ہم حضیرہ کو گیلیکسی کہہ سکتے ہیں—؟

اس سوال کے جواب میں سوال یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم حضیرہ کے مفہوم کو سمجھیں، دوسری زبان میں اس کے ترجمہ کی ضرورت کیوں درپیش ہے جب کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ تصوف کی اصلاح ہے اور اصطلاح کا ترجمہ نہیں ہوتا—؟

عظیم روحانی سائنس دان قلندر باباؒ نے لفظ حضیرہ استعمال کیا تو اس وقت کہکشاں، گیلیکسی، ملکی وے جیسے الفاظ رائج تھے۔ عام بول چال اور تکنیکی طور پر کہکشاں یا گیلیکسی کے یہی معنی استعمال ہوتے تھے جو آج ہیں۔ بتانا یہ ہے کہ لفظ ''حضیرہ'' کہکشاں نہیں ہے، گیلیکسی نہیں ہے اور نہ ملکی وے ہے۔ حضیرہ اور کہکشاں ہم معنی الفاظ ہوتے تو حضیرہ کی جگہ کہکشاں استعمال کیا جاتا لیکن

قلندر بابا اولیاؒ نے حضیرہ کا لفظ استعمال کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضیرہ کی تعریف کچھ اور ہے۔

عربی لغت میں حضیرۃ کے معنی حصہ یا شعبہ کے ہیں جسے انگریزی میں سیکشن کہتے ہیں۔ مرکب الفاظ میں استعمال اس طرح ہے۔ قائد حضیرۃ کے معنی راہ نمائے حصہ یا عسکری اصطلاح میں راہ نمائے دستہ ہے اور انگریزی میں لیڈر ٹروپ ہے۔ حضیرۃ البلدیۃ کے معنی بلدیہ کی جگہ اور انگریزی میں میونسپلٹی سیکشن ہے۔

بیان کئے گئے عربی الفاظ و معانی کے پیش نظر حضیرہ ''انتظامی حصہ'' یا بطور ایڈمنسٹر یٹو ریجن استعمال ہوا ہے۔ گیلکسی یا ملکی وے اس کے معنی نہیں ہیں۔

محترم عظیمی صاحب سے لفظ 'حضیرہ' کی بابت سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضیرہ کو سیکشن نہیں کہہ سکتے، سیکشن تو کسی گھر یا کسی جگہ کا ایک حصہ ہے۔ حضیرہ احاطہ ہوتا ہے، حد بندی ہوتی ہے۔ حضیرہ حد بندی اور اس کے اندر کا نظام ہے۔

حاصل تحقیق یہ ہے کہ ترجمہ کرتے یا سمجھاتے وقت حضیرہ کو حضیرہ لکھنا اور بولنا چاہیئے اور ساتھ میں تعریف پیش کی جانی چاہیئے تا کہ متبادل الفاظ کے استعمال سے مفہوم محدود اور تبدیل نہ ہو۔

یہ تاویل پیش نہیں کی جاسکتی کہ عام آدمی کے لئے حضیرہ مشکل لفظ ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا طالب علم اور عام آدمی مشکل الفاظ کا استعمال بخوبی جانتا ہے اور سمجھتا ہے۔ اسمارٹ فون، ٹیبلیٹ یا کمپیوٹر کی بات کریں تو عام خریدار اس کے پروسیسر کی اسپیڈ کے نمبروں کو سمجھتا ہے، عارضی یادداشت RAM اور مستقل یادداشت Permanent Memory کے نمبروں کو اربوں کے شمار تک بآسانی سمجھتا ہے۔ لہٰذا حضیرہ کو حضیرہ رہنے دیا جائے۔ چوں کہ انگریزی بین الاقوامی رابطہ کی زبان ہے اس لئے انگریزی میں حضیرہ کو معیاری تلفظ اور ہجے کے ساتھ لکھا جائے۔ جیسے Hazeera (Hə-zee-rah)۔

روحانی ادب کی اصطلاحات میں ایک ''لطیفہ'' ہے۔ لطیفہ یا لطائف کا ترجمہ Subtlety یا Subtleties کیا گیا ہے۔ Subtlety کے لغوی معنی نزاکت کے ہیں جس سے لطیفہ کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ لطیف صفاتی اسم ہے اور قرآن میں مختلف جگہوں پر اس کا ذکر ہے۔

''آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں، وہ آنکھوں کا ادراک بنتا ہے۔ اور وہ لطیف اور خبیر ہے۔''

(الانعام:۱۰۳)

''تم خواہ چپکے سے بات کرو یا اونچی آواز سے۔ وہ دلوں کا حال جانتا ہے۔ کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے۔ اور وہ لطیف اور خبیر ہے۔'' (الملک:۱۳۔۱۴)

سلسلہ عظیمیہ کے لٹریچر میں لطائف کی آسان تعریف ان الفاظ میں ہے:

لطائف ــــ روح کی مرکزیتوں کے نام ہیں

روح میں انرجی جنریٹرز ہیں

یا لطائف کا کردار کائناتی نظام میں مختلف نوعیت کے

ریکارڈ پڑھنے سے متعلق ہے کہ احکامات کہاں سے شروع ہوتے ہیں اور اظہار کہاں ہوتا ہے۔

ضروری ہے کہ انگریزی یا دیگر زبانوں میں لطائف کا ترجمہ کرنے کے بجائے اصطلاح کے طور استعمال کیا جائے اور ساتھ میں تفصیل بیان ہو۔ یوگا کو تفصیل کے ساتھ اس طرح عام کیا گیا ہے کہ نام لئے جانے پر مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔ ضروری ہے کہ ہم تصوف کی اصطلاحات کے تراجم سے احتراز کریں اور جس زبان میں وہ الفاظ ہیں، اس طرح عام کریں۔

رب العزت اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اپنے محبوب حضرت محمدؐ پر نازل فرمایا۔ یہ کتاب زندگی کے ہر شعبہ میں رشد و ہدایت کا سمندر ہے۔ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا۔ جب آپؐ سے روح کے متعلق سوال کیا گیا تو باری تعالیٰ نے جواب ان الفاظ میں نازل فرمایا۔

''یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم کو اس کا قلیل علم دیا گیا ہے۔'' (بنی اسرآءیل: ۸۵)

''امر'' کی وضاحت میں خالق کائنات فرماتے ہیں:

''اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو اور وہ ہوجاتی ہے۔'' (یٰسٓ:۸۲)

سورۃ یٰسین کا آخری رکوع پڑھنے سے منکشف ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے امر کی وضاحت مثالیں دے کر بیان کی ہے۔ ارشاد ہے:

''کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ صریح جھگڑالو بن کر کھڑا ہوگیا۔ اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے۔ کہتا ہے کہ کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ یہ بوسیدہ ہوچکی ہیں۔ اس سے کہو، انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انہیں پیدا کیا تھا۔ اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کی اور تم اس سے اپنے چولھے روشن کرتے ہو۔ کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے۔ کیوں نہیں جب کہ وہ ہی تخلیق کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو اور وہ ہوجاتی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔''

(یٰسٓ : ۷۷۔۸۳)

روح کو دیگر زبانوں میں کچھ بھی کہا جائے لیکن روح کا ترجمہ ممکن نہیں۔ یعنی دوسری زبان میں مفہوم کے ساتھ لفظ کا متبادل ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روح کو سمجھانے کے لئے ''امر'' کی مثال دی ہے۔ امر بھی اصطلاح ہے اور اس کا ترجمہ بھی ممکن نہیں۔ امر کی وضاحت میں ارشاد باری ہے کہ جب وہ کسی کام کے ہونے کا حکم دیتا ہے تو وہ ہوجاتی ہے۔ کن فیکون بھی اصطلاحات ہیں۔ ان کو سمجھایا تو جاسکتا ہے لیکن ان کا متبادل ممکن نہیں۔ اس طرح نور کا ترجمہ ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مثال دے کر سمجھایا ہے کہ نور کی تعریف کیا

ہے۔نور کا ترجمہ روشنی کردیا جائے تو روشنی کا ترجمہ کیا ہوگا؟ روشنی کی تعریف سے نور یا تجلی کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔تجلی اور تدلیٰ کا بھی ترجمہ نہیں کیا جاسکتا البتہ ان کی وضاحت قرآن کریم میں موجود ہے۔

مضمون کا لب لباب یہ ہے کہ اصطلاحات کا ترجمہ ممکن نہیں۔ ہر اصطلاح بذات خود ایک باب ہے۔ تصوف کی ایک اصطلاع عالم جو ہے۔متحدہ عرب امارات میں 'کیف الجو' عام اصطلاح ہے جس کے معنی ہیں کہ آج کا موسم کیسا ہوگا، یا آج کا موسم کیسا ہے۔

اصطلاحات کی اہمیت کے ضمن میں حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ کتاب ''کشف المحجوب'' میں فرماتے ہیں:

''ہر علم و ہنر اور ہر اہل معاملہ کے لئے اپنے اسرار کے اظہار و بیان میں خاص اشارات و کلمات ہوتے ہیں اور جنہیں ان کے سوا کوئی دوسرا سمجھ نہیں سکتا۔ الفاظ و عبارات کی اصطلاح وضع کرنے سے ان کی دو چیزیں مراد ہوتی ہیں ۔ ایک یہ کہ بخوبی سمجھا جائے اور مشکلات کو آسان بنایا جائے تاکہ فہم مرید کے قریب ہوجائے۔ دوسرے یہ کہ ان اسرار کو ان لوگوں سے چھپایا جائے جو صاحب علم نہیں ہیں۔ ان کے دلائل و شواہد واضح ہیں۔ مثلاً اہل لغت کی خاص اصطلاحیں، مخصوص الفاظ و عبارات ہیں جن کو انہوں نے وضع کیا ہے جیسے رفع وضمہ (پیش)، فتح

روح کو دیگر زبانوں میں کچھ بھی کہا جائے لیکن روح کا ترجمہ ممکن نہیں۔یعنی دوسری زبان میں مفہوم کے ساتھ لفظ کا متبادل ناممکن ہے۔اللہ تعالیٰ نے روح کو سمجھانے کے لئے ''امر'' کی مثال دی ہے۔امر بھی اصطلاح ہے اور اس کا ترجمہ بھی ممکن نہیں۔امر کی وضاحت میں ارشاد باری ہے کہ جب وہ کسی کام کے ہونے کا حکم دیتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔

ونصب (زبر) خفض وکسرہ (زیر)، جزم، جر وغیرہ۔اہل عروض کے بھی اپنے وضع کردہ مخصوص الفاظ ہیں۔جیسے بحور، دوائر، سبب، وتد اور فاصلہ وغیرہ۔اہل حساب و ہندسہ کے بھی مخصوص الفاظ ہیں جیسے فرد، زوج، ضرب، کعب، جمع اور تفرقہ وغیرہ۔فقہا کی بھی مخصوص وضع کردہ اصطلاحیں ہیں جیسے علت، معلول، قیاس، اجتہاد، رفع وغیرہ۔محدثین کی بھی مخصوص اصطلاحیں ہیں، مثلاً مرسل، مشہور، احاد، متواتر وغیرہ۔متکلمین کی بھی اپنی وضع کردہ مخصوص اصطلاحیں ہیں جیسے جوہر، کل، جزو، جسم، جبر، حیزّ اور ہیولیٰ وغیرہ۔ اسی طرح اہل طریقت کے بھی وضع کردہ الفاظ و عبارات ہیں جس سے اپنا مطلب و مقصود ظاہر کرتے ہیں تاکہ وہ علم تصوف میں ان کا استعمال کریں اور جسے چاہیں اپنے مقصود کی راہ دکھائیں اور جس سے چاہیں چھپائیں۔''

اساتذہ ـــ طالبات وطلبا

سائنس کہتی ہے کہ ہائیڈروجن کے دو اور آکسیجن کے ایک ایٹم سے پانی بنتا ہے۔ اگر آکسیجن کے ایٹم ایک سے دو ہو جائیں تو ہائیڈروجن پر آکسائیڈ بن جاتا ہے جو مضر صحت ہے۔ روحانی ماہرین کے لئے پانی کا یہ فارمولا قابل قبول نہیں ـــ وہ پانی کے فارمولے سے واقف ہیں۔

یہ ملک کی واحد روحانی یونی ورسٹی ہے جہاں بی اے آنرز سال اول میں غور و فکر کی کلاس کا وقت ہے۔ یونی ورسٹی کے نصاب کی بنیاد غور و فکر ہے تاہم ادارہ نے غور و فکر کو علیحدہ سے مضمون کا درجہ دے کر ہر جماعت کے لئے لازمی کر دیا تا کہ موجودہ دور اور آئندہ کے لئے ذہن تیار ہوں اور ''غور و فکر'' کو جامعات میں باقاعدہ شعبہ کی حیثیت دے دی جائے۔

کلاس کے آغاز میں پروفیسر صاحبہ نے طالب علموں سے کہا، جن کیفیات سے ہم گزرتے ہیں ان کی لہریں فضا میں پھیل جاتی ہیں اور دیگر لوگوں کو متاثر کرتی ہیں۔ جن لوگوں کا ذہن تحقیق و تلاش سے منسلک ہوتا ہے وہ جان لیتے ہیں کہ ہر لہر کسی کیفیت کی شکل و صورت ہے۔ فرد جس شکل کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کے زیر اثر آ جاتا ہے۔ متوجہ ہونے کے معنی یک سوئی ہیں۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ تحقیق و تلاش کا حامل ذہن عطیہ خداوندی ہوتا ہے۔ یقیناً یہ اللہ کی عنایت ہے اور خاص افراد تک مستقل مزاجی کے ساتھ عملی مشق کی جائے تو نتائج بحسن و خوبی اچھے نکلتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مشق کیا ہے ـــ؟ مشق دراصل مجاہدہ ہے۔ مجاہدہ سے مراد وقت کا ایثار ہے۔ ایثار یہ ہے کہ مطمح نظر افہام کی تفہیم یا مسلسل جدوجہد کا وہ عمل ہے جس کے نتائج مفید یا کسی علم کا حصول ہے۔ جو لوگ خالصتاً کسی علم کو سیکھنے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں تو لاشعور سے روشنی، لہروں کے ذریعے منتقل ہوتی ہے اور راہ نما بن جاتی ہے۔ کسی عمل کو مستقل مزاجی کے ساتھ کیا جائے تو نتیجہ میں ایسی تحریر بنتی ہے جو ایک یا ایک سے زیادہ علوم کی دستاویز ہوتی ہے۔

علم کا تعلق ماحول سے ہے۔ ہر فرد اپنے ماحول کی تصویر ہے اور تصویر ان رنگوں سے مرکب ہے جس کے اثرات فرد کے ذہن پر نقش ہو جاتے ہیں۔ سفید رنگ کو سرخ کر دیا جائے تو سفید مغلوب اور سرخ غالب ہوتا ہے۔ سرخ میں جو شے ڈالی جائے گی اس پر سرخ رنگ کے اثرات نمایاں ہوں گے۔

مخصوص نہیں بلکہ سب کے لئے ہے۔

خلوص نیت سے علم میں جدوجہد کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ راستے کھول دیتے ہیں یعنی راستوں پر چلنے، سمجھنے اور عمل کرنے کی ہدایت دیتے ہیں۔ ہر بچہ قوانین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ ماحول میں تحقیق و تلاش کی طرزیں غالب ہوں تو صلاحیتوں کا مظاہرہ ہوتا ہے بصورت دیگر بھول کے خانہ میں چلی جاتی ہیں۔

یاد رکھئے! تربیت کے دو رخ ہیں۔ اتفاق اور اختلاف۔ اتفاق میں وحدت اور اختلاف میں انتشار ہے۔ منتشر ذہن ہونا، خیالات کا ہجوم ہے جس میں فرد کو ایک خیال پر یکسو رہنے کی مشق نہیں ہوتی۔ اختلاف سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے اور تفرقہ سے معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ غور وفکر اور تحقیق و تلاش کا بنیادی اصول ہے کہ ذہنی مرکزیت قائم کی جائے۔ مرکزیت قائم کرنے کی مثال بیج بونے کی ہے۔ کاشت کار ہر روز بیج کی جگہ تبدیل کرے تو بیج تناور درخت نہیں بنے گا۔ بیج اس وقت درخت بنتا ہے جب ایک مرکز پر قائم ہو۔

پروفیسر صاحبہ نے سوال کیا، آپ کے ذہن میں اچھے استاد کا خاکہ کیا ہے ___؟

ایک نے کہا، جو مشکل مضمون کو آسان بنادے اور بظاہر معمولی نظر آنے والی چیزوں کے غیر معمولی رخ کی طرف متوجہ کردے۔

بہت خوب! کوئی اور اس پر روشنی ڈالے گا؟

اچھا استاد وہ ہے جو شاگرد کی ذہنی تربیت کرے۔

پروفیسر صاحبہ نے پوچھا، باقی مضامین میں کسی نہ کسی طرح ذہنی تربیت کا اہتمام کیا جاسکتا ہے لیکن سائنس، میتھس، فزکس، بیالوجی اور کیمسٹری جیسے مضامین میں ذہنی تربیت کس طرح ہو ___؟

طالب علم نے جواب دیا، جب تک ذہن نہیں بنے گا، مضامین نہیں پڑھائے جاسکتے۔

یہ بات اپنے ساتھیوں کو کیسے سمجھائیں گے؟

مضمون سائنس کا ہو یا سوشل اسٹڈیز کا، اردو کا ہو یا انگریزی کا، فزکس کا ہو یا بیالوجی کا، کیمسٹری کا ہو یا کمپیوٹر کا، فائن آرٹس کا ہو یا جیالوجی کا، سب کا تعلق ذہن سے ہے اور ذہن غور وفکر کا ذخیرہ ہے۔

اور غور وفکر کیا ہے ___؟

فکر کو ایک خیال میں مرکوز کر دینا۔ جس شے کے بارے میں ہم جاننا چاہتے ہیں اس کی اکائی، خصوصیات اور جن چیزوں سے وہ بنی ہے اس پر غور کرنا۔ ایک خیال پر غور کرنے سے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں، گہرائی پیدا ہوتی ہے اور اسرار کھلتے ہیں۔

شاباش! یہ بتایئے کہ ان ساری باتوں کو سامنے رکھ کر ذہنی صلاحیتوں کو کس طرح سمجھا جائے ___؟

پچھلی نشستوں سے اس طالب علم کی آواز آئی جو کلاس کی سرگرمیوں میں سب سے کم حصہ لیتا تھا ___

ہم سب عمارت کی مانند ہیں اور عمارت کی بنیاد سوچ ہے جو پانی کی طرح عمارت کے ہر حصہ میں

موجود ہے۔ اگر عمارت کو معین مقدار میں پانی فراہم نہ کیا جائے تو مختلف چیزوں میں ربط قائم نہیں ہوگا۔ ربط میں ترتیب اور ترتیب میں ربط ہے۔ بنیاد کی ایک اینٹ بھی ٹیڑھی ہو جائے تو عمارت آسمان تک ہی کیوں نہ ہو، ٹیڑھ پن ختم نہیں ہوتا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

شاباش! کلاس میں غور وفکر کا ذوق رکھنے والے طالب علم بیٹھے ہیں۔ ہر بچہ ذہین ہے۔ گہرائی میں دیکھتا اور سوچتا ہے، سوالات کرتا ہے لیکن ہم ان کے سوالوں کو رد کر دیتے ہیں یا تسلی بخش جواب نہیں دے پاتے۔ نتیجہ میں تحقیق و تلاش کا ذہن مغلوب ہو جاتا ہے۔ ذہانت کا تعلق غور وفکر سے ہے۔ سوال یہ ہے کہ ذہانت کیا ہے ___؟ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص ذہین ہے تو باطن میں اس کے معنی کیا ہیں ___؟

کلاس میں خاموشی تھی۔ پروفیسر صاحبہ نے کہا، جواب آپ سب جانتے ہیں لیکن جواب تک پہنچنے کی رفتار کو بڑھانا ہوگا اور یہ آسان ہے۔ آنکھیں بند کر کے گیارہ مرتبہ یاحی یا قیوم پڑھیں۔ یاحی یا قیوم کا مطلب تمام وسائل کے ساتھ زندہ اور قائم رکھنے والی ہستی ہے۔ اس کے بعد گیارہ مرتبہ درود خضری پڑھیں گے۔ پانچ منٹ تک غور کریں کہ ذہانت کیا ہے ___؟

پانچ منٹ کے بعد درود شریف کی آواز پر طلبا نے آنکھیں کھولیں۔ کچھ طلبا کی آنکھوں میں خمار تھا جیسے گہری نیند سے جاگے ہوں اور نیند میں ان مقامات کی سیر کی ہو جہاں ہر روز سب جاتے ہیں لیکن شعور میں آ کر بھول جاتے ہیں۔ ایسے طالب علم بھی تھے جن کے چہروں پر عیاں تھا کہ پانچ منٹ ان کے لئے پچاس منٹ بن گئے۔ ان میں سے ایک کو متوجہ کیا تو اس نے کہا،

میرا ذہن پانچ منٹ پر رک گیا تھا کہ پانچ منٹ تک غور کرنا ہے۔ سب ہنس پڑے۔

کوئی بات نہیں، ایسا ہو جاتا ہے اور سب کے ساتھ ہوتا ہے، وجہ غیر ضروری تفصیلات پر ذہن کا مرکوز ہونا ہے اور اہم بات پردہ میں چھپ جاتی ہے۔ ہمیشہ پہلے ہدف کا تعین کرنا چاہئے کہ ہمیں کرنا کیا ہے، کس راستہ سے جانا ہے اور کون سی بات گرد و غبار بن کر راستہ کو بے نشان کر دے گی۔ مقصد کے تعین سے اہمیت واضح ہوتی ہے۔ کسی بھی کام کو کرنے سے پہلے خود سے پوچھیں کہ حاصل کیا کرنا ہے اور اس کے زندگی پر کیا اثرات ہوں گے۔ مقصد ذہانت سے واقف ہونا تھا اور پانچ منٹ کا خیال یک سوئی میں رکاوٹ بن گیا۔ رکاوٹیں سفر کا حصہ ہیں۔ آنکھیں بند کرنے کے بعد سب کو ادھر ادھر کے خیالات آئے ہوں گے لیکن کسی طالب علم نے رکاوٹوں سے الجھنے کے بجائے، ہدف کی طرف خود کو مرکوز رکھا ہوگا۔ اس کو یک سوئی کہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ دیگر طالب علموں کو بھی اس جیسی صورت درپیش رہی ہو۔ دس بارہ ہاتھ مزید بلند ہوئے۔

آپ نے غور کیا کہ اگر میں پانچ منٹ نہ کہتی تو ممکن ہے کہ کسی کا ذہن وقت کی طرف نہیں جاتا۔

چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

سکھانا یہ ہے کہ ہمیں کن باتوں پر غور کرنا چاہیے جب کہ ہم کن باتوں پر غور کررہے ہیں۔ ہمیں اپنی پسند کے کاموں میں یک سوئی کی مشق ہے۔ درست سمت کا تعین کرنا ہے تاکہ وقت اور صلاحیت کے صحیح مصرف سے ہم خسارہ سے محفوظ رہیں۔

یک سوئی کے دوران آپ کیا سمجھے کہ ذہانت کیا ہے؟

★ کسی نے کہا زیادہ معلومات۔
★ کوئی بولا ذہن کا وسیع ہونا
★ یہ اللہ کی عطا کردہ صلاحیت ہے۔
★ حالات کی مناسبت سے فیصلہ کرنا
★ سمجھ بوجھ رکھنے والا

جوابات درست ہیں لیکن بات مکمل نہیں ہوئی، وضاحت ضروری ہے۔

درمیانی نشستوں سے ایک طالب علم کھڑا ہوا—

آنکھیں بند کرنے کے بعد ذہن کو ذہانت پر مرکوز کردیا۔ میرے سامنے ایک دنیا آئی جو اس دنیا سے مختلف لیکن اس جیسی ہے۔ جہاں لوگ موجود ہیں، ہمارے جیسے گھر ہیں، بازاروں میں ہجوم اور کشادہ سڑکوں پر تیز رفتار گاڑیاں — ان میں کچھ گاڑیاں ایسی تھیں جن کی رفتار کم تھی۔ آنکھیں کھولنے کے بعد مجھے نہیں معلوم وہ دنیا کہاں چلی گئی، میں وہاں کیا کررہا تھا، کیسے داخل ہوگیا جب کہ میرا مقصد ذہانت سے واقف ہونا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ادراک ہوا کہ یک سوئی، جواب تک پہنچنے میں وسیلہ بن گئی۔ مفہوم واضح ہوا کہ ہر منظر میں ”رفتار“ کا اشارہ تھا۔ ذہانت کا تعلق رفتار سے ہے کہ کون کتنی جلدی حقیقت تک پہنچتا ہے۔ بازاروں میں ہجوم تھا اور ہجوم میں رفتار کم ہوجاتی ہے۔ ہجوم — خیالات ہیں جب کہ کشادہ سڑکوں پر رکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے گاڑیوں کی رفتار تیز تھی اور وہ جلد منزل پر پہنچے۔ جن گاڑیوں کی رفتار کم تھی انہوں نے سڑک کی کشادگی سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

شاباش! بہت اعلیٰ۔ کوئی اور—؟

کلاس میں خاموشی تھی۔ غور و فکر کی نشست میں سب اپنا حصہ ڈال چکے تھے۔

پروفیسر صاحبہ نے کہا، معلومات، ذہن کا وسیع ہونا، زیادہ سمجھ بوجھ، وقت پر فیصلہ — سب کا تعلق یک سوئی سے ہے۔ ذہن یک سو ہونے سے رفتار بڑھ جاتی ہے، دوسروں کی نسبت ہم چیزوں کا پہلے ادراک کرلیتے ہیں۔ رفتار بڑھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رکاوٹ ختم ہوگئی۔ کائنات میں ہمارے علاوہ دوسرے وجود بھی ہیں۔ رکاوٹوں کو نظر انداز کرنے سے رفتار بڑھتی ہے اور ہم ادھر ادھر کے بغیر جواب یا شے کی گہرائی تک پہنچتے ہیں۔ یعنی رکاوٹیں موجود ہونے کے باوجود حذف ہوگئیں۔ ڈرائیور گاڑی چلاتے ہوئے ادھر ادھر

کے نظارے شروع کردے تو ــــ؟ سب مسکرادیئے، معلوم تھا کہ جواب کیا ہے۔

بات سے بات نکلتی گئی اور طلبا کے ذہن سے محو ہوگیا کہ بات شروع کہاں سے ہوئی تھی لیکن پروفیسر صاحبہ کو یاد تھا۔ ایک بار پھر پوچھا کہ کیا فزکس، کیمسٹری اور اس جیسے مضامین میں ذہنی تربیت ہوسکتی ہے ــــ؟

جس طالب علم نے اس سے متعلق پہلے وضاحت کی تھی، بات کرنے کی اجازت طلب کی اور کہا ــــ ذہن بنانے کا مطلب تربیت ہے۔ سوچنا سکھا دیا جائے کہ ماہیت سے کس طرح واقف ہوتے ہیں اور یہ ہر مضمون کے لئے ضروری ہے۔

غور وفکر کن چیزوں میں کیا جاتا ہے ــــ؟

آواز آئی، شے کی شکل وصورت اور خواص میں۔

خواص اور شکل وصورت کیا ہیں ــــ؟

کلاس میں خاموشی تھی۔

پروفیسر صاحبہ نے کہا، یہ سب مقداریں ہیں جو ہر مخلوق میں معین ہیں۔ ہم مقداروں میں غور وفکر کرتے ہیں اور ہر شے میں قدروں کا تعین کرتے ہیں۔ اخلاقی قدروں کو مقداروں کے علاوہ کیا کوئی دوسرا نام دیا جاسکتا ہے ــــ؟

والدین کا احترام مقدار ہے ــــ اونچی آواز میں بات کرنا قدروں میں عدم توازن ہے۔ علم کی ترسیل مقداروں کے ذریعے ہوتی ہے۔ لیکن ذہن متوجہ نہیں ہوتا کہ مقداریں کیا ہیں اور کسے کہتے ہیں اور ہم جو علم حاصل کررہے ہیں وہ دراصل مقداروں کا ہے۔

Mathematics میں جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم مقداروں کے تحت کی جاتی ہے۔ سو روپے کو پانچ لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے معلوم کیا جاتا ہے کہ سو روپے میں کتنی مقداریں ہیں اور پانچ افراد میں کیسے تقسیم کیا جائے تاکہ تفریق نہ رہے۔ اس طرح فزکس کا استاد شے کی ماہیت اور اس میں کارفرما عوامل کی طرف طالب علم کو متوجہ نہیں کرے گا تو فزکس سمجھنے کے لئے زمین ہموار نہیں ہوگی۔ جیسے Density کا فارمولا Density=Mass/Volume ہے۔

ڈینسیٹی، کثافت اور ماس، کمیت ہے (شے میں مقداریں کتنی ہیں) جب کہ Volume، حجم ہے۔

حجم ــــ شے کا گھیراؤ ہے۔ مقداروں کو حجم میں تقسیم کرنے سے کثافت معلوم ہوتی ہے۔

مثلاً نمک کا 200 مکعب سینٹی میٹر کا ایک ڈلا لیں۔ اس کا وزن تقریباً 450 گرام ہوگا۔ نمک کی کثافت درج ذیل فارمولے سے معلوم کرسکتے ہیں۔

نمک کی کثافت = کمیت / حجم

450 گرام / 200 مکعب سینٹی میٹر = ؟

450 گرام / 200 مکعب سینٹی میٹر = 2.25 گرام

معلوم ہوا کہ ایک مکعب سینٹی میٹر میں نمک کی کثافت سوا دو گرام ہے۔ مگر ہم اس بات سے واقف نہیں کہ نمک بنتا کیسے ہے جب کہ پیمائشی یونٹ کے تعین کی

بنیادمفروضہ ہے۔ بہرحال غوروفکر جاری ہے اور تحقیق و تلاش مقداروں میں ہوتی ہے۔

اسی طرح علم کیمیا کی تربیت کا نام کیمسٹری ہے۔ ہر علم کے لئے تربیت کا قاعدہ ایک ہے کہ قواعد وضوابط اور مقداروں سے واقف ہونا ہے۔ جب تک قدروں سے واقف نہیں ہوں گے — قواعد وضوابط کی خلاف ورزی ہوگی۔ مقداریں — ترتیب میں رہنا سکھاتی ہیں اور فارمولوں کا علم دیتی ہیں۔

مثلاً سائنس کہتی ہے کہ ہائیڈروجن کے دو اور آکسیجن کے ایک ایٹم سے پانی بنتا ہے۔ اگر آکسیجن کے ایٹم ایک سے دو ہوجائیں تو ہائیڈروجن پرآکسائیڈ بن جاتا ہے جو مضرصحت ہے۔ روحانی ماہرین کے لئے پانی کا یہ فارمولا قابل قبول نہیں — وہ پانی کے فارمولے سے واقف ہیں۔ علیم وحکیم ہستی کا ارشاد ہے:

پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے ہر شے مقداروں پر تخلیق کی اور ان مقداروں کی ہدایت بخشی۔ (الاعلیٰ: ۱۔۳)

قرآن کریم ترجمہ کے ساتھ روزانہ پڑھیں۔ معنی تلاش کریں۔ روز ایک آیت پر آنکھیں بند کرکے کم ازکم پندرہ منٹ غور کریں اور جو سمجھ میں آتا ہے ، لکھ لیں۔ جب ہم الفاظ سے مانوس ہوتے ہیں تو وہ باتیں جنہیں مشکل سمجھتے ہیں، آسان ہوجاتی ہیں۔

علیم وخبیر ہستی کا ارشاد ہے،

ہم نے اس قرآن کا سمجھنا آسان کردیا، ہے کوئی سمجھنے والا۔ (القمر:۱۷)

پروفیسر صاحبہ کی آواز کلاس میں گونج رہی تھی — قرآن تخلیقی فارمولوں کی کتاب ہے۔ اس میں کائنات کی ساخت بیان کی گئی ہے یعنی وہ علوم جن پر کائنات قائم ہے۔ اب تک جتنے علوم کی کلاس میں بات کی گئی، سب زندگی سے متعلق ہیں اور ہم آئے روز ان سے گزرتے رہتے ہیں لیکن غور نہیں کرتے کہ ہوا کی سرسراہٹ سے لے کر بادلوں کے گرجنے تک ہر شے یہاں علم ہے۔

ایک طالب علم نے پوچھا، کیا فارمولوں کا تعلق صرف فزکس اور کیمسٹری کے مضامین سے ہے۔ اردو، انگریزی، معاشرتی علوم میں فارمولے نہیں ہوتے ؟ ہم صرف فزکس اور بیالوجی کو ہی سائنسی مضامین کیوں کہتے ہیں؟

پروفیسر صاحبہ نے کہا کہ آپ سب اس سوال پر غور کریں، اگلی نشست میں بات ہوگی۔

اس سے پہلے کہ کلاس ختم ہوتی، آواز آئی —

مس ! ابتدا میں آپ نے استاد سے متعلق سوال کیا لیکن یہ کیوں نہیں پوچھا کہ شاگرد کو کیسا ہونا چاہیئے؟

سمجھانے کے لئے کہ محاسبہ ہمیشہ اپنے آپ سے شروع کرنا چاہیئے۔ ہم سب چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کے ساتھ ہم رہتے ہیں وہ اچھے ہوں، لیکن کیا ہم بھی ایسے ہیں جیسا ان کو دیکھنا چاہتے ہیں —؟

دوسری بات یہ ہے کہ شاگرد اپنے استاد کا عکس ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنے استاد کا عکس نہیں ہے تو پھر وہ شاگرد نہیں ہے۔ آپ کا استاد قرآن کریم پر غوروفکر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ شاگرد تحقیق وتلاش کو شعار بنائیں۔

جس طرح ظاہری علوم سیکھنے کے لئے قاعدہ پڑھنا ضروری ہے اسی طرح روحانی علوم کا بھی قاعدہ ہے۔فرق یہ ہے کہ ظاہری علوم میں علم پہلے اور عمل بعد میں ہے ——

باطنی علوم میں عمل کے بعد علم ہے۔

قلندر شعور اکیڈمی

مراقبہ ہال فیصل آباد: الٰہی ٹاؤن، گوکھووال ملت روڈ، فیصل آباد، پاکستان۔

041-8766190   0321-6696746

KASHAN ENTERPRISE

ENGINEER,CONSULTANT & ELECTRICAL CONTRACTOR

SERVICES:

• LT Sub Station • Power Distribution • Lighting System • Lightning Protection system • Earthing System • Local and Imported UPS • Solar panels • Fire alarm and Gas Detection System • CCTV and Security System • PABX and Telephone system • Public Addressable System • Maintenance packages • LED lighting • Prepaid Electricity Meters • Data Networking system and I.T solutions.

The service list is a selection of work that we carry out but it is not exhaustive. If the required work is not listed, you may contact us, we would be pleased to give you a quote.

Add: B-40, Sector 4-C, Surjani Town, Karachi, Pakistan.
Kashan Ali: 0321-2154178
Info@Kashan-Enterprise.Net WWW.KASHAN-ENTERPRISE.NET

چار باتیں

ہر شے کا وقت مقرر ہے اور نتیجہ وقت پر مظہر بنتا ہے۔ جب صبر سے کام نہیں لیا جاتا تو مایوسی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کے خزانوں میں کسی شے کی کمی نہیں ہے۔۔۔ وہ ''وقت'' پر عطا کرتا ہے۔

بند آنکھوں کے سامنے دنیا خوب صورت نظر آتی ہے اور ہم ہر شے ذہنی دل چسپی کے مطابق دیکھتے ہیں۔ سکون، وسائل کی فراوانی، اچھا گھر، بہترین معیار زندگی، من پسند لوگ ۔۔۔ میری دنیا میں رنگ بھرتے ہیں۔ تصور میں گم ہو کر احساس محو ہو جاتا ہے کہ میں اپنی خواہشات کی فلم دیکھ رہا ہوں۔ آنکھیں کھلتی ہیں تو تصوراتی دنیا عدم میں چلی جاتی ہے اور یہ دنیا تصور بن جاتی ہے۔ زندگی کا کھیل بھی عجیب ہے۔ چھپن چھپائی کے اس کھیل میں کبھی خوشی پس منظر میں چلی جاتی ہے اور غم منظر بن جاتا ہے تو کبھی غم چھپ کر خوشی سامنے آجاتی ہے۔

ہم ایک وقت میں سب کو خوش نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے کہ میری طرح دیگر لوگ بھی اپنے تخیل میں گم ہیں اور حقیقت کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں۔ دوسروں کو خوش رکھنا در کنار ۔۔۔ ہم خود بھی خوش نہیں رہتے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم خوشی کے مفہوم سے واقف ہیں نہ غم کا پتہ ہے۔ اسی لئے کہ خوشی سے غم اور غم سے خوشی میں ردوبدل ہوتے رہتے ہیں۔ میں ان سوچوں میں محو تھا کہ خیال آیا ۔۔۔ خالق و مالک اللہ تعالیٰ کی خوشی کس میں ہے ۔۔۔ اللہ کس سے خوش ہے اور کون سا طرز عمل اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے اور ہمارے ذہن میں اس کا تصور کیا ہے ۔۔۔؟

ذہن کو اللہ کی طرف یک سو کیا تو صمد ۔۔۔ صمد کی آواز تکرار بن گئی۔ اللہ الصمد ۔۔۔ اللہ بے نیاز ہے۔

بے نیاز ہونے سے مراد توقع اور امید نہ رکھنا ہے۔ اللہ احسن الخالقین ہے۔ کسی سے توقع نہیں رکھتا۔

''کہو اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔'' (الاخلاص: ۱۔۲)

بے نیازی کی ایک اور تعریف یہ ہے:

''دین میں جبر نہیں۔ کھل چکی ہے ہدایت اور گم راہی۔ پس جو کوئی یقین لایا اللہ پر اور طاغوت کی بندگی سے بچا تو اس نے پکڑا سہارا مضبوط جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔'' (البقرۃ: ۲۵۶)

بے نیازی ایسی صفت ہے جس پر مخلوق عمل پیرا ہو سکتی ہے۔ بے نیازی کا مطلب ہے کسی کام کا بدلہ نہ چاہنا اور سب کچھ خلوص نیت سے کرنا۔ اچھا کام کر کے

تعریف کا منتظر رہنا اور داد وصول کر کے کام کو اپنی ذات سے منسوب کرنا بے نیازی نہیں ہے۔ہم کسی کے کام آتے ہیں تو ذہن میں یہ خیال راسخ ہوتا ہے کہ کبھی وہ بھی ہمارے کام آئے گا۔ یہاں سے توقع اور امید کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

توقع بھی عجیب چیز ہے۔ ہم ہر ایک سے توقعات وابستہ کر لیتے ہیں۔ امیدیں پوری نہیں ہوتیں تو روتے اور شور کرتے ہیں کہ ہمارے کئے کا بدلہ نہیں ملا — اور امیدیں مایوسی میں بدل جاتی ہیں۔ توقعات دنیا اور اپنے جیسے لوگوں سے ہوں تو مایوسی ہوتی ہے مگر اللہ کی ذات پر توکل ہو تو قادر مطلق ہستی بے نیاز ہے، بندہ کے لئے جو شے خیر ہے اس کے مطابق عطا کرتی ہے۔

حکایت ہے کہ ایک بادشاہ سفر میں تھا۔ گرد و غبار کے طوفان کی وجہ سے راستہ گم ہوگیا اور وہ اپنے خادموں سے الگ ہوگیا۔ سفر کے دوران ایک شخص ملا جو راستہ سے واقف تھا۔ اس نے بادشاہ کی سپاہیوں تک پہنچنے میں مدد کی۔ جاتے ہوئے بادشاہ نے کہا، مانگو جو مانگنا ہے۔ اس نے جواب دیا، میں اس سے کیوں مانگوں جو خود کسی اور سے مانگتا ہے اور زندہ رہنے کے لئے اس کا محتاج ہے۔ میں اس سے کیوں نہ مانگوں جو بے نیاز ہے اور کسی کا محتاج نہیں۔

ہمارا حال یہ ہے کہ جب ہم اللہ سے مانگتے ہیں تو چاہتے ہیں مطلوبہ وقت پر کام ہوجائے۔ یہاں پر بھی اپنی ذات کو اہمیت دیتے ہیں۔ ہر شے کا وقت مقرر ہے اور نتیجہ وقت پر مظہر بنتا ہے۔ جب صبر سے کام نہیں لیا جاتا تو مایوسی کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ اللہ کے خزانوں میں کسی شے کی کمی نہیں ہے — وہ "وقت" پر عطا کرتا ہے۔

زندگی پر غور کیا جائے کہ کس طرح ہماری پیدائش ہوئی، کتنے عرصہ ہم ماں کے پیٹ میں رہے اور ضروریات پوری ہوئیں یہاں تک کہ نو ماہ بعد گول مٹول خوب صورت اور نرم و ملائم وجود میں ڈھل کر اس دنیا میں ظاہر ہوئے۔ ہماری کفالت ہوئی اور اللہ نے ہمیں اس قابل بنایا کہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوں۔ مایوسی کے وقت ان لوگوں کے بارے میں سوچنا چاہئے جن کے پاس ہم سے کم ہے نا کہ ان لوگوں کے بارے میں جن کے پاس زیادہ ہے۔ زیادہ ہونا خوشی کی علامت نہیں اور نہ کمی غم کا سبب ہے۔ غم کی وجہ ناشکری ہے۔ جتنا زیادہ غور و فکر ہوتا ہے، سکون کی طرزیں منتقل ہوتی ہیں۔

سورۃ الاخلاص کی تشریح میں عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں خالق اور مخلوق کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ اللہ ایک ہے، مخلوق کثرت میں ہے۔ اللہ بے نیاز ہے اور مخلوق ذی احتیاج ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں، نہ وہ کسی کی اولاد ہے جب کہ مخلوق کی اولاد اور ماں باپ ہوتے ہیں۔ اللہ کا خاندان بھی نہیں ہے جب کہ مخلوق کنبہ برادری کا نام ہے۔

ایک صفت ایسی ہے جس میں مخلوق کا تعلق اللہ سے قائم ہوجاتا ہے اور وہ صفت بے نیازی ہے۔ آدمی جب

مخلوق سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو کبھی ناامید اور مایوس نہیں ہوتا۔ جب تک لوگوں سے توقعات وابستہ رہیں گی، زندگی خوف وغم کی تصویر ہوگی۔ مایوسی وہ حالت ہے جس میں انسان نافرمانی اور انکار میں داخل ہوتا ہے۔محفوظ رہنے کا طریقہ ایک ہستی کے ساتھ نیاز مند ہوکر بے نیازی ہے۔

توقع کا مطلب یہ ہے کہ واقعات کا ظہور ہماری خواہش کے مطابق ہو۔ یہ غیر جانب دار طرز فکر نہیں ہے۔اس کے برعکس عمل توکل ہے یعنی اپنے معاملات میں اللہ کی مرضی پر بھروسہ کرنا اور یقین رکھنا کہ اللہ کا چاہنا ہمارے لئے بہتر ہی بہتر ہے۔ یہاں سے بے نیازی شروع ہوتی ہے کہ بندہ اپنی خواہشات سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور اللہ کی رضا کو اپنی رضا بنالیتا ہے۔

بے نیازی یہ ہے کہ بندہ کے پاس اگر کچھ بھی نہ ہو تو کسی چیز کی کمی اس کے سکون کو متاثر نہ کرے۔ نہ وہ اسباب دنیا کی موجودگی سے غنی ہو اور نہ عدم موجودگی سے محتاج۔اسباب کا ہونا نہ ہونا دونوں اس کے طرز فکر میں یکساں ہیں بلکہ اسباب کی غیر موجودگی میں وہ زیادہ خوش وخرم رہتا ہے۔

اولیاء اللہ کی زندگی پر غور کیا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ فقیر وہ نہیں جو ساز وسامان سے خالی ہو بلکہ فقیر وہ ہے جس کا دل اللہ کے علاوہ ہر آرزو اور تمنا سے خالی ہو۔اللہ کے دوستوں کو زندگی کی تمام ضروریات میسر ہوتی ہیں۔لیکن وہ دنیا میں رہ کر بھی دنیا کی طلب نہیں رکھتے اور دنیا ان کے پیچھے دوڑی چلی آتی ہے۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ نہ ہونے کے وقت خاموش رہے اور جب ہو تو سب کچھ خرچ کرے۔ یعنی جب مال نہیں ہوتا تو وہ خاموش رہتا ہے اور مال ہوتا ہے تو دوسروں کو بہتر جان کر ان پر خرچ کرتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے تحریر فرمایا ہے:

وہ شخص جو ایک لقمہ کی حاجت رکھتا ہے جب اس کی حاجت پوری نہ ہو تو اس کا دل ساکن رہتا ہے اور جب لقمہ مل جاتا ہے تو اپنے مقابلہ میں دوسروں کو بہتر جان کر اسے دے دیتا ہے۔ یہ عظیم کارنامہ ہے۔اس میں دو اشارے ہیں۔ایک یہ کہ وہ نہ ہونے کی حالت میں خاموش اور راضی برضا رہتا ہے اور موجود ہونے کی صورت میں پسند کرتا ہے کہ اپنے سے زیادہ دوسرے پر خرچ کرے۔ یہ عمل اللہ سے قربت کی علامت ہے۔

اللہ کے دوستوں کی زندگی مشعل راہ ہے۔ دوست وہی ہے جو دوست کی طرز فکر میں ڈھل جائے۔حضرت حاتم الاصمؒ فرماتے ہیں کہ جب سے مجھے چار باتوں کا علم حاصل ہوا ہے میں مستغنی ہوگیا ہوں۔لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ کون سی چار باتیں ہیں تو فرمایا،

ایک یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا رزق مقدر ہو چکا ہے جس میں نہ کمی ہوسکتی ہے نہ زیادتی، لہٰذا زیادہ کی خواہش سے بے نیاز ہوں۔دوسری یہ کہ میں نے جان

لیا ہے کہ اللہ کا مجھ پر حق ہے جسے میرے سوا کوئی دوسرا ادا نہیں کرسکتا لہٰذا میں اس کی ادائیگی میں مشغول ہوں۔ اور تیسری یہ کہ میرا کوئی طالب ہے یعنی موت میری خواستگار ہے جس سے میں راہ فرار اختیار نہیں کرسکتا۔ اور چوتھی یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا کوئی مالک ہے جو ہمہ وقت مجھے دیکھ رہا ہے، میں اس سے شرم کرتا ہوں اور نافرمانیوں سے باز رہتا ہوں۔ بندہ جب اس سے باخبر ہوجاتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے تو وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کی وجہ سے اسے اللہ کے سامنے شرم سار ہونا پڑے۔

جب آدمی اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے تو وہ اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا دانش مندانہ روش ہے کیوں کہ علم اللہ کے پاس ہے اور امور کا تقرر بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ ماں کے پیٹ میں جو وقت گزرا ہمیں یاد نہیں۔ معلوم نہیں کہ ماں نے کیا کھایا اور اس خوراک سے بچہ کی صحت پر کیا اثر پڑا۔ بچپن کے زمانہ کی بات کی جائے تو وہ دور بھی بھول بھلیوں میں گم ہو چکا ہے۔ عمر رفتہ کے واقعات یاد نہیں اور آنے والے کل سے بھی بے خبری ہے۔ لیکن اللہ محیط ہے اور زمانہ اس کی دسترس میں ہے۔ اللہ سے بہتر ہمارے لئے کون سوچ سکتا ہے۔ خود کو اللہ کے حوالہ کر دینا چاہئے۔ اللہ کا کرنا ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے۔

حضرت حبیب عجمیؒ غسل کرنے حمام میں گئے اور کپڑے باہر رکھ دیئے۔ ایک بزرگ کا وہاں سے گزر ہوا، کپڑے پہچان لئے اور اس خیال سے کہ کوئی لے نہ جائے اس جگہ ٹھہر گئے۔ جب حضرت حبیب عجمیؒ غسل کے بعد باہر آئے تو ان بزرگ نے کہا کہ آپ کپڑے کس کی نگرانی میں چھوڑ کر اندر چلے گئے تھے۔ فرمایا، اس کی نگرانی میں جس نے آپ کو پہرے دار مقرر فرمایا۔

مذکورہ بالا واقعہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی کوشش، محنت اور تدبیر نہ کرے۔ بزرگ محنت و ریاضت سے اس مقام پر پہنچے۔ ہم صرف نتیجہ دیکھ رہے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ کن راستوں اور حالات سے گزر کر انہیں حق الیقین حاصل ہوا۔ بچہ کو نوجوان بننے میں پندرہ سولہ سال لگتے ہیں، اس کے بعد نوجوانی، جوانی میں داخل ہوتی ہے۔ یہ سب تربیت کے مراحل ہیں۔ ہمیں ذہن کو اس پیٹرن پر قائم کرنا ہے جس میں مخلوق سے بے نیازی اور اللہ سے راز و نیاز ہو۔

چیست دنیا از خدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دنیا کیا ہے—؟ اللہ سے غافل ہونا ہے۔ نہ کہ سونا چاندی اور بیوی بچے۔ جو شخص کثرت مال و اہل و عیال کے باوجود اللہ سے غافل نہیں، وہ دنیا سے بچا ہوا ہے۔

اپنے ذمہ ہر فرض پورا کریں۔ ہمیں دنیا میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے لئے بھیجا گیا ہے جب کہ ہم اپنی خواہشات کی پرستش میں مصروف ہیں۔ جس وقت غلطی کا ادراک ہوجائے، معافی کے ساتھ راستہ تبدیل کر لینا چاہئے کیوں کہ غافل کو اللہ کا قرب عطا نہیں ہوتا۔

ماہیت قلب

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے کائنات میں ہر شے معین مقداروں پر تخلیق فرمائی ہے اور ان مقداروں کی ہدایت بخشی ہے۔ مقداروں کا علم سیکھنے والوں کے لئے کائنات مسخر ہوجاتی ہے۔ مقداریں شے کی ساخت اور اس میں کارفرما عوامل کی ترتیب وترکیب ہیں۔ مقداروں کے علم میں تفکر کے لئے مندرجہ ذیل شکل کا سہارا لیتے ہیں۔

مادہ (Matter)

↓

مرکبات وآمیزہ جات، عناصر

(Compunds, Mixtures, Elements)

↓

سالمات (Molecules)

↓

ایٹمز (Atoms)

↓

ذیلی ایٹمی ذرات، الیکٹران وغیرہ

(Sub-Atomic Particles)

↓

ریڈی ایشنز (Radiations) یا روشنیاں

↓

روشنیوں کی اقسام (معین مقداریں) اور ترکیب

↓

روشنیوں میں تصرف = ماہیت قلب

↓

آگے جہاں اور بھی ہیں ـــ

رب العالمین کا ارشاد ہے:

”پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے ہر شے کو معین مقداروں سے تخلیق اور ان مقداروں کی ہدایت بخشی۔“ (الاعلیٰ: ۱۔۳)

قارئین کرام، ہر تخلیق میں معین مقداریں کام کرتی ہیں غور وفکر کی ابتدا دلچسپ موضوع سے کرتے ہیں۔

کیمیائی عناصر کو عموماً تین بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ دھاتی عناصر، غیر دھاتی اور ایسے عناصر جن کی خصوصیات دھاتی اور غیر دھاتی کے درمیان ہیں یعنی دھات نما (Metalloid)۔ کیمسٹری میں یہ بات اصول کا درجہ رکھتی ہے کہ کیمیائی تعاملات (ری ایکشنز) میں ٹوٹ پھوٹ یا نئے مرکبات بننے کا عمل الیکٹرانوں تک محدود ہوتا ہے، ایٹموں کے مراکز جوں کے توں رہتے ہیں ـــ یعنی تعاملات کے دوران سوائے الیکٹرانوں کے لین دین یا شراکت کے، ان کے مرکزے (نیوکلائی) تبدیل نہیں ہوتے۔ یہ اصول جدید کیمسٹری کی بنیاد ہے۔ اسے ایک قدیم نظریہ، علم کیمیا گری (Alchemy) کا رد بھی مانا جاتا ہے۔

کیمیا گری (Alchemy) کیا ہے ـــ؟ ایسا علم جس

سے مادہ، خصوصاً کیمیائی عناصر اور مرکبات کی ماہیت قلب یا صنعت کی جا سکے۔ خصوصاً کم قیمت دھاتوں لوہا تانبا وغیرہ کو بیش قیمت دھاتوں یعنی چاندی یا سونے میں تبدیل کرنا اس علم کا محور ہے۔ کیمیا گری کی بہت ساری جہتیں بیان کی جاتی ہیں لیکن معروف یہ ہے۔ اس علم میں مختلف جڑی بوٹیوں اور عناصر و مرکبات کے کیمیائی تعاملات سے ایسا مادہ حاصل کیا جاتا ہے جس کے اثرات غیر معمولی ہیں۔ عام دھاتوں کو سونے میں بدلنے سمیت بے شمار حیرت انگیز کاموں میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اس مادہ کے معروف نام، اکسیر اور پارس ہیں۔ مغربی محقق اسے Philosopher's Stone جب کہ عربی میں کبیریت الاحمر یعنی سرخ گندھک کہا جاتا ہے۔ الغرض مختلف تہذیبوں میں نہ صرف اس مادہ کا ذکر ملتا ہے بلکہ تاثیرات اور حصول کے لئے طریقہ کار پر ضخیم مواد موجود ہے۔

سائنس کا نظریہ: جدید کیمسٹری میں تحقیق و تجربات کی بنیاد پر کیمیائی تعاملات کے حوالہ سے وضع کیا گیا اصول مختصراً یہ ہے کہ کسی بھی کیمیکل ری ایکشن کے نتیجہ میں متعاملات (Reactants) اور حاصلات میں ایٹموں کی کل تعداد اور اصل ماہیت تبدیل نہیں ہوتی البتہ طبعی حالت (ٹھوس، مائع، گیس) تبدیل ہو سکتی ہے۔ اس اصول کے تحت کیمیا گری یا عناصر کی ماہیت قلب کسی بھی کیمیائی عمل کے نتیجہ میں ناممکن ہے۔ البتہ جوہری تعاملات (Nuclear Reactions) کے نتیجہ میں یہ ممکن ہے۔ ایک طریقہ جوہری انشقاق (Nuclear Fission) ہے۔

جوہری انشقاق کے نتیجہ میں کسی بھی تابکار عنصر کے ایٹم قدرتی یا مصنوعی طریقہ سے اپنے مرکزہ کے کچھ بنیادی ذرات خارج کرتے ہیں اور نتیجتاً دوسرے عناصر میں تبدیل ہو جاتے ہیں کیوں کہ مرکزہ میں پروٹان کی تعداد عناصر کی انفرادیت کا تعین کرتی ہے جب کہ نیوٹران، پروٹان ایک جیسے چارج ہونے کی بنا پر ایک دوسرے کے خارج کرنے کے عمل کو اعتدال پر لانے کے لئے اہمیت کے حامل ہیں۔ لہٰذا ان کا مرکزہ سے اخراج بھی ایٹم کی ماہیت تبدیل ہونے کا سبب بنتا ہے۔ قدرتی عمل کے تحت تابکار عناصر مخصوص مدت کے بعد دوسرے عناصر میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جدید سائنس اور کیمیا گری کا قدیم علم بظاہر متفق نظر نہیں آتا۔ محقق ایسے پراسرار سائنس نما علوم کے لئے باطل سائنسی علوم کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ بہرحال یہ ایک نقطۂ نظر ہے۔

غیر جانب دار طرز فکر باور کراتی ہے کہ مادی علم کے نظریات کو حتمی نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ مادی علوم میں ارتقا اور تبدیلی ہے۔ قائم شدہ نظریات کبھی متروک ہو جاتے ہیں تو کبھی بدل دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا کسی علم کو پراسرار سمجھنا یا اس بنا پر رد کر دینا کہ یہ فہم سے باہر ہے، جانب دار سوچ ہے۔

معین مقداریں کیا ہیں — ؟ وہ کون سی مقداریں ہیں جو تانبے میں سے نکال لی جائیں یا داخل کر دی جائیں تو وہ سونے میں تبدیل ہو جاتا ہے — ؟

کیمیا گری کے نظریات سے قطع نظر جدید علوم کی روشنی میں، نیوکلیئر ری ایکشن کو لیا جائے تو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ ایک عنصر کا دوسرے عنصر میں تبدیل ہونا دراصل مقداروں کی تبدیلی ہے۔ طریقہ کار خواہ روحانی علوم ہوں، کیمیا گری یا جدید سائنسی طریق — سب میں مقداریں بر سرِ عمل ہیں ۔ آیئے معین مقداروں کے الہامی نظریہ کو سمجھنے کے لئے رائج سائنسی علوم اور روحانی علوم سے استفادہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سائنسی طرز: الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ایسی مقداریں ہیں جن کی قدر، ترکیب اور ماہیت و کیفیات وغیرہ متعین (Calculated) ہوں ۔ سائنس میں مادہ اور توانائی کے مطالعہ کے لئے مقداریں معین کی گئی ہیں ۔ مقدار کے تعین کے لئے اکائی (Unit) مختص کی جاتی ہے۔ اکائی کو مدنظر رکھ کر مختلف پیمانے بنائے جاتے ہیں۔ ریاضی اور فزکس کے اصول کے تحت جب تک شے کی پیمائش کے لئے ہندسی مقداریں متعین نہ ہوں، معلومات حاصل نہیں کی جاسکتیں۔

مثال: لمبائی کے لئے مختلف اکائیاں استعمال ہوتی ہیں۔ بین الاقوامی نظام پیمائش کے تحت لمبائی کی اکائی میٹر (Meter) ہے ۔یعنی لمبائی کا تذکرہ اس کی ہندسی مقدار کے بغیر ممکن نہیں خواہ کسی بھی قاعدہ اور کلیہ کے تحت ناپا جائے ۔ اکائی، اتفاق رائے سے طے کی جاتی ہے اور بیان کرنے کے لئے حوالے تلاش کئے جاتے ہیں ۔ جیسے ایک میٹر لمبائی کی سائنسی تعریف یہ ہے کہ روشنی جو فاصلہ ایک سیکنڈ کے 299792458 ویں حصہ یا ایک سیکنڈ کے قریباً تیس کروڑ ویں حصہ میں طے کرے، اس فاصلہ کو ایک میٹر کہا جائے گا۔ میٹر کی تعریف دیگر حوالوں سے بھی کی گئی ہے۔ الغرض سائنسی علوم میں تصاویر اور اکائیاں مقرر کرنے کے لئے حوالہ کا سہارا لیا جاتا ہے۔

سات مقداروں کو بنیادی طبعی مقداریں گردانا گیا ہے، باقی تمام مقداریں ان سے اخذ کی جاتی ہیں ۔ یہ مقداریں لمبائی (میٹر)، کمیت یا وزن (کلوگرام)، وقت (سیکنڈ)، بجلی کا کرنٹ (ایمپیئر)، درجہ حرارت (کیلون)، مادہ کی مقدار (مول) اور روشنی کی شدت (کینڈیلا) ہیں۔

سائنسی تصورات کے حدود اور نقائص: بلاشبہ سائنس کی مقرر کردہ یہ مقداریں اور اکائیاں افادیت اور خوبیوں کی حامل ہیں لیکن نقائص موجود ہیں۔ سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں تغیر اور منسوخی کا عمل ہے۔ تمام پیمانوں میں سے ایک کی بھی حتمی حیثیت قائم نہیں کی جاسکی جب کہ حقیقی علوم میں مقداریں تبدیل نہیں ہوتیں۔ تغیر سے شے کی حقیقت مفروضات کے پردوں

میں چھپ جاتی ہے اور حاصل ہونے والی معلومات میں کمی بیشی رہتی ہے۔ دوسرا بڑا نقص یہ ہے کہ محض ناپ تول سے شے کو مکمل بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے زیر مطالعہ شے کی حیثیت اعداد و شمار کے گورکھ دھندوں میں دھندلا جاتی ہے۔ ریاضیاتی فارمولوں میں معلومات کو مختصراً علاماتی شکل میں بند تو کر دیا جاتا ہے لیکن اس سے بنیادی صفات نظر انداز ہو جاتی ہیں۔

روحانی طرز: روحانی سائنس دانوں کی بیان کی گئی مقداروں کی تعریف اور قوانین کا ماخذ الہامی کتب ہیں۔ معین مقداروں کے قوانین نوع انسانی کا حقیقی ورثہ ہیں جو ابوالبشر حضرت آدمؑ کو ودیعت کیا گیا۔ اس علم سے آدمی — انسان کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

روحانی سائنس کے مطابق مخلوق معین مقداروں سے مرکب ہے۔ جن مقداروں سے لوہے کی تخلیق ہوتی ہے وہ صرف لوہے کے لئے معین ہیں۔ کمی بیشی سے لوہا کسی اور جنس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مقداروں میں ردوبدل کا نتیجہ دوسری نوع میں تبدیل ہونے یا ماہیت قلب کی صورت میں نکلتا ہے۔ معین مقداریں صفات ہیں۔ مختلف صفات باہم یک جا ہو کر منفرد نتیجہ بنتی ہیں۔ صفات کا منبع و ماخذ ذات باری تعالیٰ ہیں۔

مثال: پانی ایک مخلوق ہے۔ پانی کو لیبارٹری میں بنانا (Synthesize) چاہیں تو مادی سائنس کے مطابق اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن کو برقی یا حرارتی توانائی دے کر ملا دیں۔ قابل غور ہے کہ ہائیڈروجن اور آکسیجن کو وجود میں لانے سے مادی سائنس قاصر ہے جب کہ روحانی ماہرین پانی کی مقداروں سے واقف ہیں۔

روحانیت اور ماہیت قلب: ''غزوہ بدر میں حضرت عکاشہ بن محصنؓ بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ رسول اللہؐ کے پاس آئے۔ اس وقت حضورؐ کے ہاتھ میں لکڑی کی چھڑی تھی۔ آپؐ نے چھڑی حضرت عکاشہؓ کو دے کر فرمایا۔ ''عکاشہ جاؤ جنگ جاری رکھو۔'' حضرت عکاشہؓ نے چھڑی ہاتھ میں لی تو وہ مضبوط، چمک دار اور تیز دھار تلوار بن گئی۔ حضرت عکاشہؓ نے جنگ بدر کی فتح تک تلوار کو استعمال کیا۔ اس تلوار کا نام ''العون'' تھا۔ غزوہ بدر کے دوران ایک صحابی سلمہ بن اسلمؓ کی تلوار ٹوٹ جانے پر حضور پاکؐ نے انہیں کھجور کی تازہ ٹہنی عنایت کی جو تیز دھار تلوار میں تبدیل ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی تلوار ایک جنگ کے دوران ٹوٹ گئی تھی۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں طلب کر کے کھجور کی شاخ عنایت کی اور دشمنوں پر حملہ کا حکم دیا۔ کھجور کی ٹہنی تلوار بن گئی۔ اس تلوار کا نام عرجون ہے۔'' (کتاب: محمد رسول اللہؐ جلد دوئم)

فکر طلب نکات: رسول اللہؐ کے مندرجہ بالا بیان کردہ معجزات، حضرت موسیٰؑ کے عصا کا اژدہا میں

تبدیل ہونا اور پھر عصا بن جانا، حضرت عیسیٰؑ کے پھونک مارنے سے ریت کے ذرات کا سونے میں تبدیل ہونا اور ایسے متعدد واقعات انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیائے کرام کی کرامات پر مشتمل ہیں، ماہیت قلب کے فارمولوں پر مبنی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ واقعات ترغیب دیتے ہیں کہ ہم معین مقداروں کے علوم سے واقف ہو کر انسانیت کے شرف سے بہرور ہوں۔

ماہیت قلب کی اساس — روشنیوں میں تصرف:

سائنس میں مادہ کی بنیاد ایٹم ہے۔ ایٹم مزید چھوٹے ذرات پر مشتمل ہے اور ہر ذرہ کے مزید چھوٹے ذرات ہیں۔ وہ مفرد ذرات جو مزید تقسیم نہیں کئے جا سکتے بالآخر روشنی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یعنی ایٹم کی انتہا روشنی ہے۔ جدید و قدیم سائنسی علوم کی انتہا — روحانی علوم کی ابتدا ہے! مادی علوم کا تصرف انتہائی صورت میں ایٹم تک پہنچ سکا ہے جب کہ روحانی ماہرین نہ صرف اس بحر بے کنار کے شناور ہیں بلکہ ان روشنیوں میں تصرف کر سکتے ہیں جن سے ایٹم تخلیق ہوا ہے۔ ان روشنیوں میں تصرف کا مطلب ہے کہ مادہ کی کسی بھی شکل یا ہیئت میں حسب منشا تبدیلی کا اختیار!

طول موج اور فریکوئنسی وغیرہ روشنیوں کی خاصیت ہیں جنہیں روحانی بندہ اللہ کے حکم سے کسی بھی قسم کی روشنیوں میں تبدیل کر سکتا ہے۔

''کائنات میں جتنی اشیا ہیں، سب کی بنیاد روشنی ہے۔

اس بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے کہ اللہ زمین اور آسمان کی روشنی ہے۔ اللہ نے زمین اور آسمان اور اس کے اندر جو کچھ ہے، روشنیوں سے تخلیق کیا ہے۔'' (کتاب: توجیہات)

معین مقداریں اور فارمولے: خانوادہ سلسلہ عظیمیہ فرماتے ہیں کہ شاگرد کو ابتدائی تعلیمات میں بتایا جاتا ہے کہ گیہوں کیسے بنا؟ روحانی استاد شاگرد کو مشاہدہ کراتا ہے کہ گیہوں کا ایک دانہ ہے جسے استاد بڑا کر کے دکھاتا ہے، جتنا بڑا ہو سکے۔ جیسے خوردبین چھوٹی چیز کو بڑا کر کے دکھاتی ہے یعنی آنکھ خوردبین بن جاتی ہے۔ بڑا نظر آنے سے گیہوں کا دانہ امرود کے برابر اور بعض اوقات اس سے بڑا ہو جاتا ہے۔ استاد کے ہاتھ پر امرود کے برابر گیہوں کا دانہ ہے۔ وہ کہتا ہے، دیکھو اس میں مقداریں کتنی ہیں، مٹھاس، نشاستہ، بھربھراپن اور اس کے اندر رنگ کتنے ہیں۔ رنگ اگر چار ہیں تو سات رنگوں (مقداروں) میں پھیلنے کی صلاحیت کتنی ہے۔ پانی جذب کرنے اور روٹی کے لئے آگ برداشت کرنے کی صلاحیت کتنی ہے۔ مقداروں کے مشاہدہ کے بعد زمین کے اندر گیہوں کا دانہ ڈال دیا جاتا ہے۔ شاگرد جان لیتا ہے کہ گیہوں کوئی چیز نہیں — اصل مقدار ہے۔

گندم کے دانہ کا فارمولا یہ بنا کہ اس میں اتنا پانی ہے، اتنی شکر، اتنا نشاستہ، اتنا بھربھراپن، سختی اور پھیلاؤ ہے۔ تقریباً 20 مقداروں سے مل کر گیہوں کا ایک دانہ بنا۔

استاد نے گیہوں کو فضا میں رکھا اور شاگرد نے دیکھا کہ فضا میں جتنی گیسیں اور روشنیاں ہیں ان کا گیہوں کے اندر مقداروں پر کیا اثر ہوتا ہے، وہ کس طرح ایک دوسرے سے Multiply ہوتی ہیں اور جذب ہو کر بڑھتی ہیں۔ پھر اس کو نیچے پھینکتے ہیں۔کشش ثقل (گریویٹی) گیہوں کو کھینچتی ہے۔اس کے بعد بتایا جاتا ہے کہ کشش ثقل کی مقداریں کتنی ہیں۔

اب زمین کی ساخت زیر بحث آتی ہے کہ زمین میں کتنے عناصر کام کر رہے ہیں۔مثلاً زمین میں تانبا، پیتل، ایلومینیم ، فاسفورس، چاندی، سونا اور بے شمار معدنیات ہیں۔ابرق ہے، نمک ہے، پھٹکری ہے وغیرہ۔ بے شمار معدنیات کا گیہوں پر کیا اثر ہوا اور ان معدنیات کی الگ الگ کتنی مقداریں ہیں۔ساری مقداریں گیہوں میں شامل ہوگئیں اور گندم کا دانہ زمین کے اندر چلا گیا تو زمین نے اس کو بند کرلیا۔اب دانہ کے اندر تبدیلی واقع ہوئی۔کس طرح دانہ پھول کر پھٹا، پھٹنے کے بعد اس میں کلّا ، پتی بنی ، پھر پودا، پودے کے اندر ہزاروں لاکھوں گیہوں لگ گئے۔

معین مقداروں کے فارمولوں اور ماہیت قلب کی حقیقت کے حوالہ سے الشیخ عظیمی صاحب فرماتے ہیں:

”لوہے کی طرح لکڑی کے اندر بھی مقداریں معین ہیں۔اگر لوہے اور لکڑی میں مقداریں کام نہ کریں تو لکڑی، لکڑی نہیں اور لوہا، لوہا نہیں رہے گا۔ معین مقداروں سے مراد یہ نہیں ہے کہ جو مقداریں لوہے کے اندر کام کر رہی ہیں وہ لکڑی کے اندر نہیں۔

فارمولا یہ ہے کہ لوہے کے لئے آٹھ اور لکڑی کے لئے سات مقداروں کا تعین ہے۔لکڑی کی مقداروں میں لوہے کی اضافی ایک مقدار شامل کر دی جائے تو لکڑی— لوہا بن جائے گی۔

سونے (Gold) کے لئے پانچ اور گیرو کے لئے چار مقداریں معین ہیں۔سونے کو گیرو بنانے کا فارمولا یہ ہے کہ سونے کی مقداروں میں سے ایک مقدار کم کردی جائے۔گلاب کے پھول میں چھ معین مقداریں کام کرتی ہیں۔اگر سیب کے پھول کی معین مقداروں میں سے تین کم کر دی جائیں تو سیب کا پھول، گلاب کا پھول بن جاتا ہے۔گلاب کے پھول میں تین مقداروں کا اضافہ کر دیا جائے تو گلاب کا پھول سیب کا پھول بن جاتا ہے۔ یہ پورا ایک تخلیقی نظام ہے جو اللہ نے ان لوگوں کو سکھایا ہے جو لوگ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث اور روحانی علوم کے حامل ہیں۔“

جس وقت سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھجور کی لکڑی حضرت عکاشہ بن محصنؓ، حضرت سلمہ بن اسلمؓ، حضرت عبد اللہ بن جحشؓ اور حضرت قتادہؓ کو دی تو تخلیقی فارمولوں کے تحت مقداروں میں ردوبدل ہوگیا اور یہ ردوبدل قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق ہے۔

”ہم نے تمہارے لئے مسخر کردیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کا سب۔“ (الجاثیہ:۱۳)

طرحی مشاعرہ

شعروسخن سے محبت کرنے والوں نے طرحی مشاعرہ کا انعقاد کیا جس میں مختلف شعرانے اپنا کلام سنا کر محفل کو چار چاند لگا دیئے۔ مصرعِ طرح شہنشاہِ غزل خدائے سخن محمد تقی یعنی میر تقی میؔر کی غزل سے تھا:

''یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے''

مشاعرہ سے منتخب کلام کی لڑی حاضر ہے۔ کوئی شعر اچھا لگے تو داد دیں اور اگر آمد ہو جائے تو شعر، اشعار یا پوری غزل اپنے پاس رکھنے کے بجائے ادارہ کو ارسال کر دیں — موزوں شعر یا غزل کہنے والے خواتین وحضرات کو داد اشاعت کی صورت دی جائے گی۔ اب سنئے طرحی مشاعرہ کا احوال —

شاعر محمد حفیظ الرحمٰن نے طرحی غزل پیش کر کے بھرپور داد وصول کی۔

جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے
رنگ و بو کے جہاں سے اٹھتا ہے
منزلیں اس غبار میں گم ہیں
جو ترے کارواں سے اٹھتا ہے
غور سے سن اسے کہ یہ نالہ
میرے قلب تپاں سے اٹھتا ہے
یہ کسی اور آگ کا ہے دھواں
یا مرے آشیاں سے اٹھتا ہے
ہے منافق وہی کہ جس کا خمیر
فکر سود و زیاں سے اٹھتا ہے
پھر کہاں اس کے دل کو چین و قرار
جو ترے درمیاں سے اٹھتا ہے
کچھ تعلق نہیں مکاں سے اسے
شور یہ لامکاں سے اٹھتا ہے
گردِ مہتاب ہے فلک کا غبار
یا کسی کہکشاں سے اٹھتا ہے
زندگی ہے کہ بلبلہ کوئی
سطح آب رواں سے اٹھتا ہے
آہی جائیں گے حسبِ وعدہ وہ
اعتبار اس گماں سے اٹھتا ہے
لوح محفوظ میں ہے سب مرقوم
کون، کس دن، کہاں سے اٹھتا ہے
منتظر ہوں حفیؔظ کب پردہ
راز کون و مکاں سے اٹھتا ہے

جناب ایم اے راجا صاحب کا کلام پڑھئے:

درد زخم نہاں سے اٹھتا ہے
سینہ کے درمیاں سے اٹھتا ہے
ایک بجلی سی کوند جاتی ہے
ایک شعلہ سا جاں سے اٹھتا ہے

جو ترے در پہ جھک گیا اک بار
سر وہ پھر کب وہاں سے اٹھتا ہے
دل تڑپتا ہے ، خون جلتا ہے
شعر تب اک زباں سے اٹھتا ہے
چھوڑ جاتا ہے حسرتیں ، ناکام
آدمی جب جہاں سے اٹھتا ہے
لاشے بکھرے ہیں شہر میں ہرسو
نالہ ہر اک مکاں سے اٹھتا ہے
کھول اب آنکھ، دیکھ اے حاکم
"یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے"
تو نے سوچا بھی ہے کبھی راجا !
کیوں غضب آسماں سے اٹھتا ہے ؟

شاہین فصیحؔ ربانی کے بقول مصرع بہت مشکل دیا گیا ہے۔ حضرت میر تقی میرؔ کے مصرع پر غزل کہنا آسان نہیں بہرحال حقیر سی کاوش پیش ہے۔

سرخ رُو اس جہاں سے اٹھتا ہے
جو صدائے اذاں سے اٹھتا ہے
جب در مہ وشاں سے اٹھتا ہے
چین دل کے جہاں سے اٹھتا ہے
دل کی اب راکھ بھی نہیں باقی
"یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے"
خواب دیتے ہیں جب کبھی مہمیز
ولولہ قلب و جاں سے اٹھتا ہے
تو نے بخشا ہے جو مقام اسے
آئنہ کب وہاں سے اٹھتا ہے

بات سنتے نہ بات کہتے ہیں
دل ہی کوئے بتاں سے اٹھتا ہے
دھیان آتے ہی اس پری وش کا
درد کیوں جسم و جاں سے اٹھتا ہے
مہرباں ہے کہ پیار ہے مجھ سے
پردہ راز نہاں سے اٹھتا ہے
جس کی خاموشیاں قیامت ہوں
حشر اس کے بیاں سے اٹھتا ہے
دل پہ لے کر گلاب زخم فصیحؔ
محفل دوستاں سے اٹھتا ہے

ذیشانؔ صاحب نے بھی مشاعرہ میں حصہ لیا۔

درد سا اک ،جو یاں سے اٹھتا ہے
کون جانے ؟کہاں سے اٹھتا ہے ؟
منکشف ہوتی ہے حقیقت پھر
پردہ جب درمیاں سے اٹھتا ہے
چوٹ پڑتی ہے جب، نئ دل پر
"زلزلہ، جسم وجاں سے اٹھتا ہے"
کسی بلبل کا دل جلا ہے کہیں
دھواں کیوں آسماں سے اٹھتا ہے؟
تھم گئی کائنات ،پھر کیوں آج؟
شور کیوں لا مکاں سے اٹھتا ہے ؟
بے خبر! کچھ خبر ہے تجھ کو کہ آج
عشق آخر جہاں سے اٹھتا ہے
پوچھ مت مجھ سے حال دل کہ کہیں
"شعلہ، آتش فشاں سے اٹھتا ہے"

وجد میں آتے ہیں ملائک جب
ساز میری فغاں سے اٹھتا ہے
کھول مت راز عاشقی ہمدم
بوجھ کب رازداں سے اٹھتا ہے
طفل مکتب ہوں کیا مری اوقات
شعر خود ہی زباں سے اٹھتا ہے
چیر دیتا ہے پھر دل معصوم
تیر جب بھی کماں سے اٹھتا ہے
توڑ جائیں نہ دل کہیں ذیشاں
اعتبار ان بتاں سے اٹھتا ہے

اب جناب انیس فاروقی صاحب کا کلام پڑھیے۔

کب وہ آہ و فغاں سے اٹھتا ہے
نالہ زخم نہاں سے اٹھتا ہے
خون رستا ہے قتل گاہوں سے
شور اشک رواں سے اٹھتا ہے
تجھ کو چارہ گری سکھا دے گا
درد جو نیم جاں سے اٹھتا ہے
جب قلم بے زبان ہوتے ہیں
حرف نوک زباں سے اٹھتا ہے
کفر واعظ کے لب سے ہے جاری
اذن کوئے بتاں سے اٹھتا ہے
آتش دل تو بجھ گئی لیکن
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے
آنسوؤں سے انیسؔ مت پوچھو
یہ تلاطم کہاں سے اٹھتا ہے

شہنشاہ سخن میر تقی میرؔ

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے
گور کس دل جلے کی ہے یہ فلک
شعلہ اک صبح یاں سے اٹھتا ہے
خانۂ دل سے زینہار نہ جا
کوئی ایسے مکان سے اٹھتا ہے
نالہ سر کھینچتا ہے جب میرا
شور اک آسمان سے اٹھتا ہے
لڑتی ہے اس کی چشم شوخ جہاں
ایک آشوب واں سے اٹھتا ہے
سدھ لے گھر کی بھی شعلۂ آواز
دود کچھ آشیاں سے اٹھتا ہے
بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو
جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے
یوں اٹھے آہ اس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے
عشق اک میرؔ بھاری پتھر ہے
کب یہ تجھ ناتواں سے اٹھتا ہے
دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

اللہ آسمان سے پانی برسا کر
زمین پر رزق رسانی کے لئے۔۔۔
انواع واقسام کے ثمرات پیدا کرتا ہے۔

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل ومشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین ودنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

محمد ذیشان

شب برات کی حکمت

یہ شعبان کا مہینہ ہے۔ مضمون میں مطمحِ نظر رات کے حواس کی اہمیت کے ساتھ شب برات کی حکمت واضح کرنا ہے۔ شب برات کیا ہے، ادراک اس رات کے اوصاف جان کر ہوتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ اس رات اللہ کے حکم سے حکمت کے کاموں کا فیصلہ ہوتا ہے۔ حکمت کیا ہے ___؟

زندگی دن اور رات میں تقسیم ہے۔ دن میں آدمی معاشی و سماجی اور اپنی ذاتی ضروریات پوری کرتا ہے۔ معاملات میں اعتدال سے سکون کی نیند سوتا ہے۔ کھانا پینا، سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، بات چیت کرنا، دوسروں کے حقوق کا احترام، حلال و حرام کی تمیز وغیرہ سب معاملات میں شامل ہیں۔

عموماً سمجھا جاتا ہے کہ رات صرف آرام کے لئے ہے اور آرام کا مطلب سونا ہے۔ باشعور اور حکمت سے واقف ہونے کا ذوق رکھنے والا شخص آرام کی تعریف کو مختلف زاویہ سے دیکھتا ہے اور رات کے ایک حصہ میں عبادت کا اہتمام کرتا ہے۔ کیوں کہ تجربات و مشاہدات سے وہ جان لیتا ہے کہ آرام دہ زندگی کے حصول کا ذریعہ عبادت ہے۔ عبادت کیا ہے ___؟

عبادت ___ عبد سے مشتق ہے اور عبد بندگی ہے۔

کلمہ شہادت کے الفاظ ہیں:

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمدؐ اللہ کے بندہ اور رسول ہیں۔''

خاتم النبیین حضرت محمدؐ کی سیرت طیبہ بندگی کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ آپؐ نے مشکل سے مشکل وقت میں مقصد کو ترک نہیں کیا، اللہ کی یاد نے آپؐ کو مضبوطی عطا فرمائی اور آپؐ نے عزم و استقلال سے دنیا میں امن و امان قائم کیا۔ رحمت للعالمینؐ کا ارشاد گرامی ہے:

''جب انسان یہ جان لے کہ وہ کس کے لئے اور کس کی خاطر رنج اٹھا رہا ہے تو اسے دکھ اور درد کا احساس نہیں رہتا۔''

یعنی بندگی یہ ہے کہ غیر کا خیال دل میں نہ آئے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''اللہ کی یاد سے قلوب اطمینان پاتے ہیں۔'' (الرعد:۲۸)

خالق کائنات کا ہر حکم زندگی کے تمام معاملات پر محیط ہے۔ ذکر الٰہی میں وقت گزارنے والا شخص اپنے اور

اللہ کے درمیان تعلق کو محسوس کر لیتا ہے۔جب یقین ہوجاتا ہے کہ تمام معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہیں تو دنیا کی اہمیت ثانوی ہوجاتی ہے اور اللہ سے تعلق غالب ہوجاتا ہے۔ معاشی و سماجی معاملات میں مشکلات درپیش ہونے کے باوجود صبر اور قناعت کے اوصاف زندگی میں شامل ہوجاتے ہیں۔

اللہ کی یاد سے قلوب اطمینان پاتے ہیں، کے پیغام پر غور کیا جائے تو یہ آیت بالخصوص ان لوگوں کے لئے ہے جن کے قلوب مضطرب اور اذہان (ذہن کی جمع) پراگندہ ہیں کیوں کہ جو پہلے ہی ذکر کر رہا ہے وہ اطمینان کی کیفیت سے واقف ہے۔ ذکر سے مذکور کی صفات غالب ہوتی ہیں۔

مثلاً بچہ اسکول جاتا ہے تو ماں یاد کرتی ہے۔ یاد کرنے سے ماں کے اندر بچہ کی لہریں غالب ہوجاتی ہیں اور وجود ادھورا محسوس ہوتا ہے۔تسکین کے لئے وہ اسے دیکھنا چاہتی ہے۔اسی طرح جب بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت لہروں کی صورت میں اس کے اندر خلا کو پر کرتی ہے۔ چوں کہ اللہ بے نیاز اور بے احتیاج ہے اس لئے ذکر کرنے والے بندہ کے اندر مخلوق سے بے نیازی کی لہریں غالب ہونے لگتی ہیں۔مخلوق کی بے نیازی کا تعلق مخلوق سے ہے۔ وہ اللہ سے بے نیاز نہیں ہوسکتی اس لئے کہ جس حیات پر اس کی زندگی قائم ہے وہ اللہ کا ''امر'' ہے۔

آرام کا تعلق عبادت سے ہے۔رات کی دنیا میں زندگی کا وہ رخ مخفی ہے جس میں آرام ہے۔ یہاں بیٹھے، وہاں پہنچے۔جس کو یاد کیا اس کا حضور ہوگیا۔ نیند کی دنیا میں بھی آدمی نوکری پر جاتا ہے سارے کام کرتا ہے لیکن دن جیسی مشقت نہیں ہوتی۔حکم کے ساتھ عمل ہوتا ہے۔

آدمی عالم ناسوت میں آنکھیں بند کرتا ہے تو خواب کی دنیا میں آنکھیں کھلتی ہیں۔خواب سے واقفیت نہ ہونے کی بنا پر ایسی دنیا تسلیم کیا جاتا ہے جس میں واقعات کا حقیقی وجود نہیں ہے جب کہ ایسا نہیں ہے۔ سرورِ کائناتؐ نے خواب کے علم کو نبوت کا چھیالیسواں باب قرار دیا ہے۔قرآن کریم میں انبیائے کرام اور دیگر خوابوں کا ذکر ہے۔حضرت یوسفؑ کے قصہ میں خواب کی حکمت کو واضح کیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آدھی زندگی بیداری میں اور آدھی زندگی نیند کی بیدار دنیا میں گزرتی ہے۔ نیند کی دنیا کا وجود ہے — اس لئے نصف زندگی وقف ہے۔اگر وہ موجود نہیں تو ہم اسے کیسے دیکھ رہے ہیں اور ہر بار سونے کے بعد کیوں دیکھتے ہیں—؟ پھر سونا اور سونے میں کئے ہوئے اعمال کیا ہیں—؟

خواب دراصل حواس کا نام ہے جس میں کام کی رفتار بیداری سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔قرآن کریم میں دن اور رات کی زندگی کے فرق کو سمجھنے پر زور دیا گیا ہے۔

''ان کے لئے ایک اورنشانی رات ہے ہم اس کے اوپر سے دن ہٹا لیتے ہیں تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔''
(یٰسٓ: ۳۷)

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔'' (لقمٰن: ۲۹)

دن ہو یا رات — ہر شے حواس کا مجموعہ ہے اور حواس صلاحیتیں ہیں۔ سننے، دیکھنے، سمجھنے، چھونے، بولنے اور ان سے ماورا صلاحیتیں۔ کسی بھی شے کی تعریف صفات سے بیان کی جاتی ہے کہ اس کا طریق کیسا ہے یا افادیت کیا ہے۔ ہر عمل کا میڈیم حواس ہیں جس کے تحت افعال انجام دیئے جاتے ہیں۔ رات اور مخصوص راتوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے ان میں موجود حواس کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

''قسم ہے ستارہ کی جب وہ غروب ہوا، بہکا نہیں تمہارا رفیق، وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔ اسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے جو بڑا صاحب حکمت ہے۔ وہ سامنے آیا جب کہ وہ بالائی افق پر تھا۔ پھر قریب آیا اور خوب اتر آیا۔ یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ نے وحی (باتیں) کیں اپنے بندہ کی جانب جو کچھ بھی کیں۔ دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا۔'' (النجم: ۱۔۱۱)

فرمان الٰہی ہے:

''ح۔م۔ قسم ہے اس کتاب واضح کی۔ ہم نے اسے نازل فرمایا ایک مبارک رات میں بے شک ہم خبردار کرنے والے ہیں۔ اسی رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر حکمت والے کام کا، حکم ہو کر ہمارے پاس سے بے شک ہم بھیجنے والے ہیں۔ تیرے پروردگار کی رحمت سے۔ بے شک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔''
(الدخان: ۱۔۶)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بے شک ہم نے اسے نازل فرمایا شب قدر میں۔ اور تم کیا سمجھے کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے۔ اترتے ہیں فرشتے اور روح اس رات میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کو۔ سلامتی کی رات ہے طلوع فجر تک۔'' (القدر: ۱۔۵)

تینوں راتوں میں عظمت اور حکمت ہے۔ شب معراج میں حضورؐ نے عالمین کا مشاہدہ کیا اور خالق کائنات کے قرب سے اس طرح مشرف ہوئے کہ دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ شب برات میں قضاو قدر اور حکمت کے فیصلے ہوتے ہیں۔ سیدنا حضور پاکؐ اس رات قبرستان تشریف لے جاتے اور وہاں قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب فرماتے تھے۔

رحمت للعالمین حضرت محمدؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اس رات بڑی تعداد میں لوگ قبرستان جاتے ہیں۔ ایصال ثواب کے لئے درود شریف کا ورد اور قرآن کریم کی تلاوت اور اس میں غور و فکر کیا جاتا ہے۔ خیرات و صدقات دیئے جاتے ہیں اور کھانا کھلانے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس رات قبرستان جانا اور عبادت

کرنا حضور پاکؐ کے نقش قدم پر عمل ہے۔

شعبان کے بعد رمضان کا مہینہ ہے۔ لیلۃ القدر کو رمضان کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کا حکم ہے۔ روزہ رکھنے سے روشنیاں ذخیرہ ہوتی ہیں اور حواس کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ رمضان کے تیس روزے پورے سال کا پروگرام ہیں۔

یہ شعبان کا مہینہ ہے۔ مضمون میں مطمحِ نظر رات کے حواس کی اہمیت کے ساتھ شب برات کی حکمت واضح کرنا ہے۔ شب برات کیا ہے، ادراک اس رات کے اوصاف جان کر ہوسکتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ اس رات اللہ کے حکم سے حکمت کے کاموں کا فیصلہ ہوتا ہے۔ حکمت کیا ہے—؟

زندگی کے عوامل کو مدنظر رکھا جائے تو ایک ہی بات معلوم ہوتی ہے کہ یہاں سب کچھ غیب ہے۔ دن کی موجودگی میں رات غیب ہے اور رات کی موجودگی میں دن غیب ہے۔ دن کہاں سے طلوع ہوتا ہے نہیں معلوم اور رات کہاں غروب ہوتی ہے ہم نہیں جانتے۔ اس طرح دن کی موجودگی میں دن غیب ہے کیوں کہ وہ جہاں سے آیا ہے ہمیں خبر نہیں۔ یہی صورت رات کی ہے۔

حضور اکرمؐ نے شب معراج میں آسمانوں کی سیر کی۔ آسمان کی دنیا، عرش، سدرۃ المنتہٰی، بیت المعمور غیب ہیں۔ اس کے بعد خالق کائنات سے قربت میں فاصلہ کا بیان ممکن نہیں۔ ان حقائق کو غیب کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رات میں موجود حواس کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔

مقام محمود پر اللہ اور محبوبؐ کے درمیان راز و نیاز ہوئے اور اللہ نے فرمایا کہ دل نے جو دیکھا، جھوٹ نہیں دیکھا۔

شب قدر میں بھی حواس کی رفتار اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ غیب مشاہدہ بن جاتا ہے۔ فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے اور جبرائیل امینؑ مصافحہ کرتے ہیں۔ فرشتے غیب ہیں۔ غیب کو کیسے سمجھا جائے—؟ غیب سے مراد ہے کہ جو عام مشاہدہ میں نہ ہو لیکن موجود ہو۔

اللہ خالق اور ہم مخلوق ہیں۔ خالق کی صفت یہ ہے کہ وہ ''احد'' ہے۔ وسائل تخلیق فرماتا ہے مگر ہر شے سے بے نیاز ہے۔ جب کہ مخلوق وسائل کی پابند ہے اور وسائل میں اللہ کی صفات متحرک ہیں۔ وسائل سے مراد میڈیم ہے یعنی وہ شے جو وسیلہ بنتی ہے اور وسائل اللہ کی صفات سے متحرک ہیں۔ سانس لینے میں کسی مخلوق کا کوئی کردار نہیں۔ زندہ رہنے کے لئے سانس وسیلہ ہے— سانس کے لئے ہوا وسیلہ ہے— ہوا کے لئے وسیلہ بخارات ہیں— بخارات کا وسیلہ پانی ہے اور پانی کا وسیلہ آسمان ہے— اللہ آسمان سے بارش برساتا ہے— بارش سیرابی کا وسیلہ ہے اور سیرابی زندگی ہے۔

آدمی سارے وسائل مفت استعمال کرتا ہے لیکن جو شے اس کے تصرف میں آجاتی ہے اس کے پیسے لیتا ہے۔ کیا کوئی بندہ یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اللہ ہمیں پانی

اس لئے دیتا ہے کہ ہم ایک ہزار دفعہ اللہ کہتے ہیں؟ اللہ کی طرف سے زمین کے اندر پانی، اوپر پانی، جہاں دیکھیں پانی ہے اور پانی مفت دستیاب ہے۔

سورج روز نکلتا ہے اور غروب ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد چاند کی کرنیں زمین پر پھیلتی ہیں۔ قدرت کی طرف سے روشنی کا انتظام مفت ہے۔ جب کہ ہم بجلی جلاتے ہیں اس کا بل دیتے ہیں، لالٹین جلاتے ہیں مٹی کے تیل کا بل دیتے ہیں، چراغ جلاتے ہیں اس میں سرسوں کے تیل کا بل دیتے ہیں لیکن جب اللہ کا معاملہ آتا ہے تو اللہ نے مخلوق کو ہر شے مفت فراہم کی ہے۔ عجیب بات ہے کہ آدمی نے پیسوں کا تعین کر کے اپنی اور دوسروں کی زندگی اجیرن کر دی ہے۔ جنگل کا قانون دیکھ لیں۔ وہاں کوئی کرنسی نہیں ہے لیکن نظام زندگی جاری ہے اس طرح کہ کسی شے کی کمی نہیں ہوتی۔ نباتات، جمادات، حیوانات کی طرح آدمی کو بھی آزاد روزی مل رہی ہے۔ اگر پیسوں سے کوئی زندہ رہتا ہے تو جن کے پاس دولت کے خزانے ہیں وہ مر کیوں جاتے ہیں؟ ایک نظام ہے اللہ کا جس میں سب کی ضروریات پوری ہو رہی ہیں چاہے کوئی اللہ کو مانے یا نہ مانے — اللہ بے احتیاج ہے۔ آخر کائنات کا نظام کیسے قائم ہے؟

سورج مشرق سے نکلتا ہے لیکن مشرق میں غروب نہیں ہوتا۔ سمندر کا پانی کڑوا ہوتا ہے، کسی خطہ میں چلے جائیں، سمندر کا پانی کڑوا ہوگا۔ دریاؤں کا پانی میٹھا ہے۔ جوانی سے پہلے بڑھاپا نہیں آتا۔ آدمی سے آدمی پیدا ہوتا ہے اور شیر سے شیر۔

جس طرح ادارہ میں افسر ماتحتوں سے کام لیتا ہے اس طرح کائنات کا انتظام چلانے کے لئے نائبین مقرر ہیں۔ اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا مربوط نظام ہے جس کا علم انسان کو دیا گیا ہے اور انسان کائنات میں اللہ کا نائب ہے۔ جو شخص ''احسن تقویم'' سے واقف ہو جاتا ہے وہ نائب کے درجہ میں آ جاتا ہے۔

''انسان ہماری بہترین تخلیق ہے لیکن وہ اسفل سافلین میں پڑا ہوا ہے۔'' (التین: ۴-۵)

غوث، ابدال، قطب وغیرہ عہدے ہیں اور نائب کو تصرف کا اختیار دیا گیا ہے۔

شب برات اسلامی کیلنڈر کے آٹھویں مہینہ شعبان کی پندرھویں رات ہے۔ محترم عظیمی صاحب سے سوال کیا گیا کہ نظام کائنات کیا ہے تو انہوں نے فرمایا —

''ہر فرد کی زندگی کا پروگرام تیس سال پہلے بنایا جاتا ہے۔ نظام تکوین کے تحت یہ پروگرام دس سال، پانچ سال اور ایک سال پر جاری ہے۔ شب برات میں صاحبان خدمت اہل تصوف فرماتے ہیں کہ ہر سال پروگرام کی تجدید ہوتی ہے۔''

یعنی جس طرح بجٹ کی منظوری ایک وقت میں ہوتی ہے لیکن نفاذ مالی سال کے مختلف اوقات میں ہوتا ہے۔ اس طرح ہمارا بجٹ بھی ہماری پیدائش سے پہلے لکھا

جا چکا ہے اور ہر سال اعمال کے مطابق تجدید ہوتی ہے۔

اللہ کی نعمتیں لامحدود ہیں اور اس کی بخشش کی کوئی حد نہیں۔ محنت، دعا اور صدقات سے رزق میں کشادگی اور وسائل میں برکت ہوتی ہے۔ اس رات خلوص نیت کے ساتھ معافی مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ کرم فرماتے ہیں۔ اسے مغفرت اور رحمت کی رات بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت محمدؐ نے فرمایا: کیا تم جانتی ہو یہ کون سی رات ہے؟ یعنی نصف شعبان کی رات۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اس رات اس سال پیدا ہونے والے اور مرنے والے ہر ابن آدم کا نام لکھا جاتا ہے۔ اس رات میں اعمال بلند کیے جاتے ہیں اور اس رات میں لوگوں کا رزق نازل کیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

رحمۃ للعالمینؐ کا ارشاد ہے:

''جب شعبان کی پندرھویں شب ہو تو رات کو قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو۔ کیوں کہ غروب آفتاب کے وقت سے اللہ کی رحمت آسمانِ دنیا پر نازل ہو جاتی ہے اور اللہ ارشاد فرماتا ہے، ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں، ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے رزق دوں، ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اسے نجات دوں۔ یہ اعلان طلوع فجر تک ہوتا رہتا ہے۔'' (سنن ابن ماجہ)

جب کسی شخص کا بجٹ بنتا ہے تو اس کی ضروریات اور کوششیں مدنظر رکھی جاتی ہیں۔ جس طرح شب قدر سے واقف ہونے کے لئے روزوں کو صحیح آداب کے ساتھ رکھنا ضروری ہے تا کہ وہ انوار ذخیرہ ہو جائیں جن سے غیب کا مشاہدہ ہوتا ہے، اسی طرح شب برات کی حکمت سے واقف ہونے اور اس رات کا مشاہدہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی پورے سال ان کاموں سے اجتناب کرے جو اللہ کو ناپسند ہیں۔ ایک سال سے دوسرے سال کا وقفہ — شب برات کے حواس سے واقف ہونے کی تیاری ہے۔

مضمون میں نکات پر غور کیا جائے تو مجموعی طور پر رات کے حواس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جس میں مخلوق کے لئے خیر ہے۔ سوال یہ ہے کہ رات کیا ہے — ؟ رات حواس ہیں۔ حواس سے مراد محسوس کرنا ہے اور رات کے حواس غیب کی دنیا میں داخل ہونے کا ذریعہ ہیں۔

ڈینش محقق جوہانس فبیگر کو 1926ء میں میڈیسن کا نوبل انعام دیا گیا۔ فبیگر نے دعویٰ کیا تھا کہ Spiroptera Carcinoma نامی آرگینزم چوہوں میں کینسر کا موجب ہے جس پر نوبل انعام سے نوازا گیا۔ دو سال بعد جاپانی محقق Katsusaburo Yamagiwa کی کینسر پر تحقیق سے جوہانس فبیگر کی تحقیق غلط ثابت ہوگئی۔ بیش تر افراد نے تنقید کی کہ فبیگر نوبل انعام کا حق دار نہیں لیکن جوہانس فبیگر سے انعام واپس نہیں لیا گیا اور نوبل انعام کے لئے نامزد ہونے کے باوجود یاماگیوا کو انعام نہیں دیا گیا۔

ڈاکٹر عمیر ریاض

ہرا بھرا عظیمی گلشن

کچھ دیر بعد ابدالِ حق تشریف لائے۔ آستانہ میں باادب داخل ہو کر خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے کچھ ارشادات فرمائے جو ذہن نارسا سے محو ہو گئے۔ بس اتنا یاد ہے کہ انہوں نے آستانہ کی اندر والی سفید دیوار پر انگلی سے لفظ ''تصوف'' لکھ کر اس طرف متوجہ کیا۔

سلاسل طریقت میں طالبین و سالکین میں روحانی تشخص برقرار رکھنے کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے۔ مرشد کریم نے ایثار کو سلسلہ عظیمیہ کی اہم شناخت قرار دیا ہے۔ 1992ء کے عرس سے آپ کے خطاب کا ایک حصہ پیش ہے۔

''حضور قلندر بابا اولیاؒ نے مجھ سے فرمایا تھا، خواجہ صاحب! یہ بات یاد رکھئے گا کہ فقیر کی ذات چمار ہوتی ہے۔ چمار پر آسمان سے بیگار اترتی ہے۔ اس کا کام خدمت، خدمت — خدمت کرنا ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی،

خواجہ صاحب! یہ بات بھی یاد رکھئے گا کہ مشن چلانے والے لوگ دیوانے ہوتے ہیں — عقل و شعور حائل نہیں ہوتا۔ جس روز عقل و شعور حائل ہو گیا — دیوانگی نکل جائے گی — مشن فیل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ مشن چلانے والا بندہ سوائے ایثار کے کسی چیز سے واقف نہیں ہوتا۔''

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے مزید فرمایا:

''کسی کو بنانے کے لئے اپنا بہت کچھ کھونا پڑتا ہے۔ جب تک تم اپنے آپ کو کھو نہیں دو گے، دوسرا بندہ کچھ بھی نہیں بنے گا۔''

ابدال حق کے دُرِّ نایاب نے اپنے مرشد کریم کی بات کو سچ کر دکھایا۔ شاگرد رشید نے تن، من، دھن اور وقت مشن کے لئے وقف کر دیا۔

یہ بھی کیا عجب معاملہ تھا۔ عین اس وقت جب زائرین ایک گھڑی کو آرام کے لئے اپنی اقامت گاہوں کی طرف روانہ تھے، مرشد کریم گھر کے دروا کئے اپنے بچوں میں مسکراہٹیں بانٹنے میں مشغول تھے۔ دل غم، کم مائیگی اور احسان کے جذبات سے معمور ہو گیا۔

حضور مرشد کریم نے عمل سے ایثار کی نظیر قائم کی۔ جس چراغ کی لو سے دوسروں کے گھروں میں سکون کی روشنیاں بانٹیں، اسے اپنی جان، مال اور وقت کی

قربانی سے سینچا۔ قربانی کہنا اس بے لوث خدمت کی ناقدری ہے۔ انہوں نے کچھ بھی اپنے لئے باقی نہ رکھا۔ ذات، وقت، مال نہ صحت — ہر چیز مشن کے لئے وقف کردی۔ باوجود اس ناقدری کے جو ہم جیسے طالبین دانستہ نادانستہ کر جاتے ہیں، ان کے ماتھے پر شکن تک نہیں آتی۔ زینہ بہ زینہ مرشد کے گھر میں اوپر چڑھتے ہوئے خیالات کا تلاطم جاری تھا۔

ملاقات کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ زینہ پر ایک قطار اوپر مرشد کی خدمت میں جانے والوں کی اور دوسری قطار واپس آنے والے مخمور و مسرور طالبین کی ہے جو آنکھوں میں محبت سمائے، مسکراتے، خود سے باتیں کرتے، جھلملاتی آنکھوں کے ساتھ زینہ سے اترتے ہیں۔ ان کی کیفیت دیکھ کر طالبین دیدار کے جذبات اور زیادہ مچل جاتے ہیں۔

کئی دن یہ سوچتے گزر گئے کہ خدمت میں حاضر ہوکر کیا کہنا ہے لیکن حاضری نصیب ہوئی تو خود سمیت سب کچھ بھول گیا۔ روح میں اتر جانے والی آنکھوں اور بے لوث محبت کی مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور دعاؤں سے نوازا۔ سلام کے بعد خوشی و بشاشت کی کیفیات سے بھرپور، اپنی رہائش گاہ جانے کے بجائے مرکزی مراقبہ ہال میں آستانہ کا رخ کیا۔

آستانہ کو مرکزی مراقبہ ہال کا نقطۂ ذات کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ مراقبہ ہال کے وسط میں واقع یہ مختصر مخروطی چھت والا حجرہ ہے۔ ہر سال عرس کے موقع پر عظیمی بہنیں انتہائی محبت کے ساتھ اس کی تزئین و آرائش کرتی ہیں۔ آستانہ کو ابدالِ حق سے خصوصی نسبت حاصل ہے۔ مرشد کریم نے اس جگہ کو قلندر بابا اولیاؒ کے لئے مخصوص کیا۔ اس کی فضا برس ہا برس قلندر بابا اولیاؒ کی نسبت سے متعلق ماورائی روشنیوں، شاگرد رشید کی بابرکت نشستوں، اولیاء اللہ کی زیارتوں اور انوار و تجلیات کے نزول کی شاہد ہے۔ آستانہ میں پہنچے تو زائرین قطار اندر قطار خاموش بیٹھے تھے۔ مجھ عاجز بندہ نے کچھ دیر یہاں مراقبہ کی سعادت حاصل کی۔ ماورائی تصور کی لہروں سے خود کو ہلکا محسوس کیا۔

ماضی کے جھروکوں سے چند نایاب لمحے ذہن میں کوندے۔ کئی سال قبل خواب میں دیکھا تھا کہ آستانہ کے باہر حضور قلندر بابا اولیاؒ کے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ کچھ دیر بعد ابدالِ حق تشریف لائے۔ آستانہ میں باادب داخل ہوکر خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے کچھ ارشادات فرمائے جو ذہن نارسا سے محو ہو گئے۔ بس اتنا یاد ہے کہ انہوں نے آستانہ کی اندر والی سفید دیوار پر انگلی سے لفظ ''تصوف'' لکھ کر اس طرف متوجہ کیا۔ مرشد کریم کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب عرض کیا۔ کمال شفقت سے خواب سنا اور فرمایا: ''اس کی تعبیر بہت سادہ ہے۔ آپ روحانیت اور تصوف کی طرف توجہ دیں گے تو اللہ نے چاہا جو بھی قسمت میں ہوگا، وہ

فیض آپ کو ضرور ملے گا۔"

خیال آیا کہ روحانیت کا تعلق اہلیت سے ہے۔

سرمدؔ غمِ عشق بوالہوس را نہ دہند
سوز دلِ پروانہ مگس را نہ دہند

"غمِ عشق بوالہوس کو نہیں عطا ہوتا، پروانہ کے دل کا سوز مکھی کی قسمت میں نہیں، حلقۂ یار میں داخلہ کے لئے طویل ریاضت مطلوب ہے کیوں کہ یہ ایسی متاع نہیں جو بے طلب اور نااہل پر لٹا دی جائے۔"

روحانی وراثت کا تعلق اہلیت اور کرم سے ہے۔

ذہن روحانی ورکشاپ کے عنوان کی طرف چلا گیا "روحانی وراثت اور اس کے تقاضے کیا ہیں —؟"

ذیلی عنوانات میں تھا کہ "روحانی وارث کی ذمہ داریاں اور عظیمی فرد کا کردار کیا ہونا چاہئے۔" گویا روحانیت میں اہلیت کے تصور کو واضح کرنے کے لئے مرشد کریم نے ورکشاپ کے لئے یہ عنوانات پسند فرمائے۔ ورکشاپ کی تیاری میں کلیدی کردار ہر گروپ میں موجود کوآرڈینیٹر کا ہے جو معاملہ فہمی کے ساتھ مذاکرہ کو آگے بڑھاتے ہیں اور تبادلہ خیال کو بحث و تمحیص میں تبدیل ہونے سے روکتے ہیں۔

اس سلسلہ میں طویل نشست 25 جنوری کی شام کو بھائی جان — ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی کی راہ نمائی میں منعقد ہوئی جہاں کوآرڈینیٹر خواتین و حضرات کو اگلے دن کی ورکشاپ کے حوالہ سے بریفنگ دی گئی۔

مراقبہ کے بعد صلوٰۃِ عشا کے لئے مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ عشا کی صلوٰۃ، رات کے حواس میں داخل ہونے کا پروگرام ہے۔ اہتمام کے ساتھ صلوٰۃ کی تیاری اور ادائیگی انسان کو اس قابل کرتی ہے کہ وہ لاشعوری تحریکات کو قبول کر سکے۔

مرشد کریم کی قربت میں عرس کے موقع پر یہ صلاحیت اور زیادہ بیدار ہوتی ہے۔ باجماعت صلوٰۃ کے بعد اجتماعی مراقبہ ہوا۔ لنگر شروع ہونے میں کچھ وقت تھا جس کی وجہ سے اکثر زائرین مسجد کے صحن میں براجمان

تھے کہ اس دوران بوندا باندی شروع ہوئی اور جلد موسلا دھار بارش میں تبدیل ہوگئی۔

ابر رحمت کا سلسلہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا۔ بارش کی شدت سے مسجد کے صحن میں موجود شامیانے بھیگ گئے۔ زائرین سمٹ کر مسجد کے اندر بیٹھ گئے اور بادل گزرنے کا انتظار کرنے لگے۔ اس اثنا میں ڈیوٹی پر مامور دوستوں نے بارش کی پروا کئے بغیر کام جاری رکھا۔ بارش سے متاثرہ صفوں، ساؤنڈ سسٹم وغیرہ کو خشک جگہ منتقل کر کے پانی کی نکاسی شروع کی۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد بارش کا زور ٹوٹا تو لنگر کے لئے روانہ ہوئے۔ بارش سے مسجد، لنگر، اسٹالز وغیرہ سب کے انتظامات متاثر ہوئے لیکن ڈیوٹی پر مامور دوستوں اور انتظامیہ کے ذمہ دار حضرات وخواتین نے زائرین کی سہولت و آسانی میں کسی قسم کی کمی نہ آنے دی۔ اکثر مقامات پر فی الفور متبادل انتظامات کئے گئے یا بارش کے اثرات کا ممکنہ ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی۔

بارش تھمنے کے منتظر زائرین مسجد میں بیٹھے تھے تو پرانے دوستوں نے بتایا کہ 20 سال قبل 1997ء میں بھی عرس کے موقع پر تند و تیز بارش ہوئی تھی۔ کئی احباب نے اس دور کے واقعات سب کی خدمت میں گوش گزار کئے جس سے مسجد کی بیٹھک کشت زعفران بن گئی۔

ذہن بارش سے ہٹ کر 20 سال پہلے ماضی میں چلا گیا۔ ان بیس سالوں میں مرکزی مراقبہ ہال میں تدریجاً سہولیات میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ سب مرشد کریم کا یقین اور ان کی دعوت پر اپنا تن من دھن وقف کر دینے والے ساتھیوں کے ایثار کا مظہر ہے۔ جو محنت اور قربانی سلسلہ کے ابتدائی ایام میں دوست احباب نے دی، کیا اس کا مثل آج ہم میں موجود ہے—؟ بے مائیگی کا احساس دامن گیر ہوا۔ خیال آیا کہ آگے بڑھنے والے بڑھ چکے— کیسے کیسے نفوس تھے، کیا کیا پھول تھے جو مرشد کریم نے چمنستان عظیمی میں لگائے۔ وہ سب عظیمی دوستوں کے لئے روشن مثال ہیں جنہوں نے مرشد کے حکم پر خود کو روحانی مشن کے لئے وقف کر دیا۔

پھر خیال آیا کہ یہ بھی نسبت کا اعجاز ہے کہ قریہ قریہ، شہر شہر سے آئے زائرین نے طوفان برگ و باراں سے پریشان ہونے کے بجائے اسے تربیتی نشست کا عملی پہلو سمجھ کر ذہن یک سو رکھا۔ اور کیوں نہ ہو، جب مرشد کریم کی تربیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ بندہ سوچ کو ہمیشہ اللہ سے ہم رشتہ رکھے۔ خواہ کچھ بھی ہو، ذہن پہلے اللہ کی طرف جائے۔ اس کو آپ نے ''کیئر آف اللہ'' سوچ بھی فرمایا ہے۔

اکثر ذہن میں آتا کہ مرشد کریم جس طرز فکر اور اس سے جڑے عمل کی بات کرتے ہیں، اس کا دائرہ عمل کیا ہے؟ کیا صرف مرکزی مراقبہ ہال آ کر اپنی سوچ کی کجی پر غور کیا جائے یا صرف رمضان کے مہینہ میں خود احتسابی کی جائے؟ احساس ہوا کہ طرز فکر میں تبدیلی کا

دائرہ عمل روزمرہ زندگی کے ہر لمحہ پر محیط ہونا چاہئے۔ گھر، دفتر، مسجد، مراقبہ ہال یا کسی بھی جگہ، کسی بھی کام میں مشغول رہتے ہوئے وہی طرزِ فکر اختیار کرنے کی کوشش کی جائے جس کا حکم مرشد نے دیا ہے۔ پھر خواہ بارش آئے یا طوفان، بیماری آئے یا نقصان درپیش ہو،

”جو لوگ راسخ فی العلم ہیں ان کا اس بات پر یقین ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔“ (آلِ عمران: ۷)

کے مصداق سوچ کا محور صرف اللہ ہو۔

اگلی صبح گھنگھور گھٹائیں ہٹ چکی تھیں اور آسمان صاف تھا۔ فجر کی صلوٰۃ کے بعد یا حی یا قیوم کا مسحور کن ذکر اور اجتماعی مراقبہ ہوا۔ ناشتہ کرکے احباب ورکشاپ کی تیاری میں کمربستہ ہوگئے۔

عرس کی تقریبات کے حوالے سے روحانی ورکشاپ منفرد نشست ہے جس کا دائرہ بڑھ رہا ہے۔ سال 2017ء میں 23ویں روحانی ورکشاپ منعقد ہونا تھی۔ بارش کی وجہ سے عیدگاہ گراؤنڈ میں ورکشاپ کا انعقاد ممکن نہ رہا جو روایتی طور پر ورکشاپ کا venue ہے۔ انتظامیہ نے چند گھنٹوں کے اندر متبادل انتظامات عظیمیہ جامع مسجد میں کئے اور ورکشاپ حسبِ روایت دس بجے شروع ہوکر شام تک جاری رہی۔

ورکشاپ میں ملکی و غیر ملکی مندوبین کے علاوہ بذریعہ انٹرنیٹ بیرونی مندوبین نے بھی شرکت کی۔ مسجد میں موجود شرکا کی تعداد ایک ہزار پچیس (1025) تھی۔ ورکشاپ میں شرکا کو دس کے گروپ میں تقسیم کیا جاتا ہے جن میں ایک کوآرڈینیٹر ہوتا ہے۔

مرشد کریم تشریف لائے اور کارروائی کا جائزہ لیا۔ بعدازاں مختصر خطاب فرمایا۔

”جو لوگ راسخ فی العلم ہیں ان کا اس بات پر یقین ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔“ (آلِ عمران: ۷)

سے خطاب کی ابتدا کی اور مثالیں دے کر یہ سمجھایا کہ جو لوگ باطنی علم سیکھ لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز منجانب اللہ ہے۔ زندگی کا تذکرہ کرتے ہیں تو سب

سے پہلے ہماری پیدائش زیر بحث آتی ہے۔ آدمی کو کسی چیز کا اختیار نہیں۔ پیدائش، جائے پیدائش، عمر میں تصرف الغرض ان میں سے کسی چیز کا اختیار نہیں۔ ہم چمار کے یہاں بھی پیدا ہو سکتے ہیں، کسی اعلیٰ ذات میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں، کہیں بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس بات پر بھی اختیار نہیں ہے کہ ہم عمر میں تصرف کر سکیں۔

عمر میں تصرف سے مراد یہ ہے کہ — ہم گھٹنا شروع ہو جاتے ہیں، جس کو ہم بڑھنا کہتے ہیں۔ اگر کسی کی عمر 80 سال ہے، اس کی عمر بڑھی یا گھٹی —؟

زندگی ایسا کھیل ہے جس میں آدمی دو دفعہ مر کر ایک دفعہ ظاہر ہو رہا ہے۔ غیب ظاہر بنتا ہے اور ظاہر غیب ہو جاتا ہے۔ پھر زندگی کیا ہے اور زندگی کا مقصد کیا ہے؟

''رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں۔ بے جان میں سے جان دار کو نکالتا ہے اور جان دار میں سے بے جان کو۔'' (اٰل عمرٰن: ۲۷)

پروجیکٹر پر ایک فلم ہے اور اسکرین پہ نظر آ رہی ہے۔ فلم کے فیتے پر پروجیکٹر کی لائٹ نہ پڑے تو کیا نتیجہ نکلے گا؟ مزید فرمایا کہ خوشی اور غم زندگی کے دو رخ ہیں۔ خوشی آتی ہے تو غم نہیں ہوتا اور غم ہوتا ہے تو خوشی نہیں ہوتی۔

ہر خوشی اک وقفۂ تیاری سامان غم
ہر سکوں مہلت برائے امتحان و اضطراب

پھر زندگی کیا ہے —؟ زندگی اللہ کا چاہنا ہے۔ ہر شے ایک انفارمیشن ہے — ایسی انفارمیشن جس میں تغیر نہیں ہے۔ تغیر الوژن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اللہ کی سنت میں تبدیلی اور تعطل نہیں ہے۔''

(فاطر: ۴۳)

آپ کو یہ بات سوچنی ہے کہ اگر ہمیں خیال نہ آئے تو کیا ہم کھانا کھائیں گے —؟ زندگی کا خیال نہ آئے تو مر جائیں گے۔ مرنا بھی خیال، جینا بھی خیال، کھانا بھی خیال، پینا بھی خیال، سڑک بنانا بھی خیال، گھر بنانا بھی خیال، آرام بھی خیال، فرصت بھی خیال ہے۔ کوئی ایک عمل بتا دیں جو آپ خیال آئے بغیر کرتے ہیں —؟ زندگی خیال کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

مرشد کریم نے فرمایا کہ خیال کے دو رخ متعین ہیں۔

۱۔ پریشان کرنے والا ۲۔ پرسکون

انہوں نے فرمایا کہ زندگی اس طرح گزارنی چاہئے کہ جس میں اللہ کی صفات شامل ہوں اور — اللہ کو نہ تو کوئی پریشانی ہے نہ غم!

ورکشاپ میں بڑی تعداد میں ملکی و غیر ملکی شرکا نے جس نظم و ضبط سے غور و فکر میں حصہ لیا وہ قابل تحسین ہے اور ہر سال ہونے والی روحانی ورکشاپ کا خاصہ ہے۔ یہ سب مرشد کریم کی تربیت ہے کہ انہوں نے اپنے روحانی بچوں کو تفکر کی طرف راغب کیا ہے تا کہ ہم آدمی اور انسان کے فرق کو سمجھیں اور غور و فکر کر کے ''اسفل سافلین'' کے دائرہ سے نکل کر اپنے اندر موجود ''احسن تقویم'' سے واقف ہوں۔ (قسط نمبر ۲)

کیا سورج روشن ہے ـــــ؟

قدآدم آئینہ کے سامنے کھڑے ہوں تو آئینہ میں اپنا عکس نظر آتا ہے۔ دائیں ہاتھ سے دائیں کان کو سہلائیں تو آئینہ میں عکس میں بائیں جانب نظر آئے گا۔ یعنی آئینہ شے کے خدوخال کو پلٹ کر دکھا رہا ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ آئینہ میں عکس صرف افقی طور پر الٹا ہوتا ہے۔

عموماً فلکی اجرام کے بصری مشاہدات میں روشنی کا انعکاسی فعل استعمال ہوتا ہے۔ انعکاسی عمل کی ترتیب سادہ آئینہ سے لے کر پیچیدہ عدسوں کے سلسلہ پر مشتمل ہوسکتی ہے۔ بصری آلات سے حاصل ہونے والی شبیہیں موصول شدہ روشنی کو ایک نقطہ پر مرتکز کر دیتی ہیں جس سے روشنی کی بکھری ہوئی مقدار کا ارتکاز بڑھ جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر کثیرالاشعاع (ضعیف مقدار کی روشنیاں) مرتکز ہو کر قوی الاثر یک شعاعی نقطہ میں ڈھل جاتی ہیں اور شے کے زیادہ بہتر خدوخال حاصل ہوتے ہیں۔ جدید بصری آلات میں اس طرح کے انعکاسی عمل کو دہرایا جاتا ہے جس سے ماہرین فلکیات، اجرام کی کئی گنا واضح اور روشن تصاویر حاصل کرتے ہیں۔ کثیرالانعکاسی نظام میں دہرے انعکاس کی تکنیک کو کیسی گرین انعکاس (Cassegrain Reflection) بھی کہا جاتا ہے۔

ہبل دوربین کا انعکاسی نظام فعالیت کے لحاظ سے کیسی گرین کے گروپ سے تعلق رکھتا ہے۔ دہرے انعکاس کا یہ نظام شکل نمبر 8 کے مشابہ ہے۔ اس میں دور دراز خلائی وسعتوں سے روشنی کی شعاعیں جب دوربین کے پرائمری حصہ یا پہلے اسٹیج کے آئینہ سے ٹکراتی ہیں تو پہلا انعکاس حاصل ہوتا ہے۔ انعکاس کو پہلا آئینہ دوسرے آئینہ کی جانب منعکس کر دیتا ہے۔ روشنی کی شعاعیں ثانوی آئینہ سے ایک دفعہ پھر منعکس ہو کر دوربین کی آنکھ میں داخل ہوجاتی ہیں۔

قارئین سوال کر سکتے ہیں کہ آخر اتنے پیچیدہ دہرے انعکاس کی کیا ضرورت ہے یا شے کے عکس در عکس مشاہدہ سے، سوئی برابر فلکی اجرام کی انتہائی واضح تصاویر حاصل کرنے کے فوائد کیا ہیں ـــ؟

آسان جواب یہ ہے کہ موصول شدہ روشنی کے ارتکاز کو کئی گنا زیادہ واضح اور روشن کیا جاتا ہے۔ ہبل دوربین میں روشنیوں کا یہ مرقوم دہرے انعکاس کی مدد

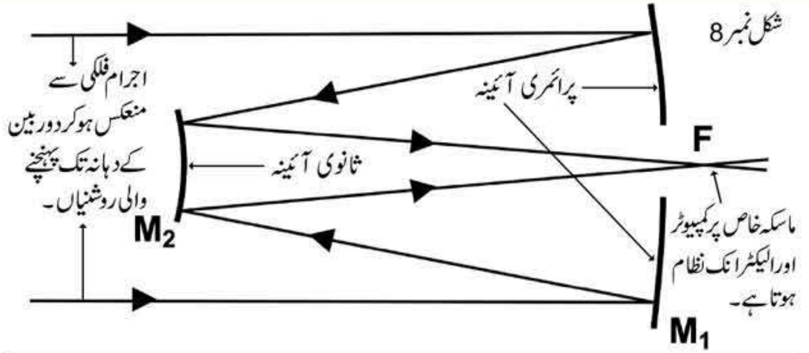

سے حاصل ہوتا ہے۔ آئینہ کا پہلا انعکاس شے کے خدوخال کو پلٹ دیتا ہے۔ یعنی خدوخال عموداً اور افقاً دونوں سمتوں میں پلٹ جاتے ہیں— عکس کا ہیر پھیر اس طرح ہوتا ہے کہ اصل شے کی اوپری اور نچلی سطح کے نقوش آپس میں بدل (Swap) جاتے ہیں جب کہ دائیں اور بائیں اطراف کے نقوش ایک دوسرے کی جگہ لے لیتے ہیں۔ اس عمل کو عام سائنسی زبان میں خدوخال یا نقوش کا Flip کرنا بھی کہتے ہیں۔

مثال: قد آدم آئینہ کے سامنے کھڑے ہوں تو آئینہ میں اپنا عکس نظر آتا ہے۔ دائیں ہاتھ سے دائیں کان کو سہلائیں تو آئینہ میں عکس میں بائیں جانب نظر آئے گا۔ یعنی آئینہ شے کے خدوخال کو پلٹ کر دکھا رہا ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ آئینہ میں عکس صرف افقی طور پر الٹا ہوتا ہے۔ اگر آپ Flip ہونے کے عمل کا بیان کئے گئے دوربینی انعکاسی نظام سے موازنہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ عام آرائشی آئینہ شے کے عکس کو صرف افقی طور پر پلٹتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کا عکس عام آئینہ میں الٹا یعنی Upside Down یا سر نیچے اور پیر اوپر نظر آئیں۔

قارئین! کیا آپ نے اس میکانزم پر غور کیا ہے اور کبھی سوچا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے— ؟ جب کہ دوربین کا پہلا آئینہ شے کے تمام نقوش کو افقاً وعموداً بالکل مخالف دکھاتا ہے!! غور کیجئے۔ بچوں اور دوستوں سے بھی رائے لیجئے اور ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو اپنی اور دوستوں کی رائے سے آگاہ کیجئے۔

ہبل دوربین میں جو روشنی داخل ہوتی ہے اس سے بننے والی شبیہ، دہرے انعکاس کے ساتھ آئینہ کے عین مرکز میں نظر آتی ہے۔ جیسا کہ شکل نمبر 8 میں دکھایا گیا ہے۔ اس مقام پر موجود برقی کیمرہ روشنی کی اقسام کے مطابق الگ الگ حساسیت رکھتا ہے جو مخصوص اشعاعی خواص کے حامل کمپیوٹر پر مشتمل ہوتا ہے۔

مضمون میں پہلے وضاحت کی جا چکی ہے کہ موصول ہونے والی روشنی کے اندر انعکاسی اطلاعات مخفی ہوتی

ہیں۔ بالفاظ دیگر موصول ہونے والی روشنی، ہدف کے خواص کے لئے سواری یا Carrier کا کام کرتی ہے۔

اس ضمن میں لاہور سے جناب طارق محمود صاحب لکھتے ہیں کہ جب مشاہدات و تجربات اس بات کی توثیق کرتے ہیں کہ منعکس ہونے والی یا موصول شدہ روشنی مطلوبہ ہدف (شے) کے خواص میں لپٹی ہوتی ہے اور یہی روشنی ناظر تک پہنچتی ہے تو ہمیں روایتی سائنس اور علوم باطنی کے ماہرین کے مشاہدات کی تفہیم میں فرق کیوں ملتا ہے۔ جیسے ہمارے شمسی نظام میں موجود سورج کو عام طور پر سلگتے ہوئے انگارے کی مانند دکھایا جاتا ہے، جب کہ ماہرین باطن اسے سیاہ توے کی مانند دیکھتے ہیں—؟

جناب طارق صاحب نے اپنے سوال میں جن نکات کی نشان دہی کی ہے، ہم اس پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے لئے الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

ا۔ ناظر (شاہد) اور منظور (مشہود) کے مابین کسی نہ کسی قسم کا واسطہ ہوتا ہے، جیسے روشنی وغیرہ۔

۲۔ منظور (مشہود) کا وقوع، ناظر (شاہد) کے احساس کی فہم کے تابع نہیں۔ جیسے سورج، چاند یا درخت کا وقوع وغیرہ— یعنی دیکھنے والا ہو یا نہ ہو، شے کا وجود اپنی جگہ ہے۔

۳۔ مشاہدہ کا نام اگر ''نظر'' رکھیں تو عام طبیعاتی علوم کے مطابق نظر کی مساوات یوں لکھی جاسکتی ہے۔

نظر = منظور کو منور کرنے والی روشنی + منظور کی حسی لطافت

منظور کا مطلب مطلوبہ شے ہے جسے دیکھنا مقصود ہے۔ واضح رہے کہ شے سے منعکس ہونے والی روشنیوں کی لطافت شے سے جتنی زیادہ لطیف ہوگی، اتنی زیادہ ''نظر'' میں گہرائی ہوگی۔ مزید آسان الفاظ میں سمجھنے کے لئے بڑے حوض میں کنکر گرنے کے عمل پر غور کرتے ہیں۔ دو مختلف سائز کے کنکر یکساں طاقت سے تالاب میں پھینکیں تو دو مختلف اقسام کی لہریں سطح پر نمودار ہوں گی۔ لہروں میں تفاوت دونوں کنکروں کے مابین خواص کے فرق کا پتہ دے گا۔

حوض میں لہریں دونوں کنکروں کی ماہیت کو لہروں کی شکل میں پیش کر رہی ہیں۔ آسان الفاظ میں سمجھنے کے لئے لہروں کو نظر کہیں، کنکر کو منظور، سطح آب میڈیم ہے اور ہم ناظر تو اس طرح کہا جائے گا کہ لہریں (نظر) کنکر (منظور) اور سطح آب (میڈیم) کے مابین ٹکراؤ کی ناظر پر عکس بندی کر رہی ہیں۔

طارق صاحب کے سوال کے حوالہ سے درج ذیل نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

اول: کنکر اور پانی کے ٹکراؤ سے پیدا ہونے والی لہریں نہ ہونے کے برابر ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کنکر کی طبعی لطافت کو پانی منعکس کرنے سے قاصر ہے۔ ایسے میں مزید لطیف ترین میڈیم تلاش کرنا ہوگا جو کنکر کے ٹکراؤ کی عکس بندی کر سکے۔

دوئم: اوپر بیان کئے گئے میڈیم کی لطافت اور اس میں مخفی اطلاعات صرف اس صورت میں 'قابل ذکر' ہیں جب ناظر کے اندر صلاحیت موجود ہو کہ وہ مخفی اطلاعات کو صحیح اخذ کر سکے۔ یعنی میڈیم اور دیکھنے والے کا احساس ایک ہو جائے۔ اس طرح جو واسطہ یا میڈیم موجود ہے، اور جیسا نظر آ رہا ہے، وہی تاثرات ناظر کی فہم پر مرتب ہوتے ہیں۔

طارق صاحب کا دوسرا سوال سورج کی ماہیت سے متعلق ہے۔ ماہرین نے سورج کے وجود کو مختلف روشنیوں میں ریکارڈ کیا ہے۔ ان میں مرئی، زیریں سرخ اور بالائے بنفشی شعاعیں قابل ذکر ہیں۔ دلچسپ مشاہدات یہ ہیں کہ مختلف اقسام کی روشنیوں (میڈیم) میں لئے گئے سورج کے عکس ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ وجہ پہلے بیان کی جا چکی ہے جب کہ حقیقت ایک ہوتی ہے۔

ماہرین فلکیات مشاہدات میں جس روشنی کو اہمیت دیتے ہیں، اس کی لطافت میں اتنی سکت نہیں کہ وہ سورج یا دیگر اجرام فلکی و ارضی کے خواص کا احاطہ کرے۔

باطنی علوم کے ماہرین بتاتے ہیں کہ کائنات روشنی جیسی دوسری روشنی میں ڈوبی ہوئی ہے جسے 'نور' کہا جاتا ہے۔ نور اس قدر لطیف ہے کہ زمین و آسمان میں ہر شے پر محیط ہے — یعنی ان کی بنیاد ہے۔ شے سے متعلق اطلاعات نورانی لہروں یا کرنوں میں لپٹی ہوئی ہیں اور یہ لہریں کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان لہروں میں سورج کے اصل خدوخال موجود ہیں۔

اس ماہیت کو کیسے عیاں یا Decode کیا جائے، اس کا طریقہ ہم روایتی سائنس کے مساواتی نظام سے لیتے ہیں۔ بیان کیا گیا نظر کا فارمولا علم طبیعات کی روشنی میں مضمون میں اس طرح لکھا گیا۔

نظر = منظور کو منور کرنے والی روشنی + منظور کی حسی لطافت

اسے سورج اور نور کے تناظر میں دوبارہ لکھتے ہیں:

نظر = سورج کو منور کرنے والا نور + سورج کی حسی لطافت

مقصد سورج کی اصل جاننا ہے — طلباء و طالبات مساوات کو سورج کی ماہیت جاننے کے لئے دوبارہ ترتیب دیں یعنی —

سورج کی حسی لطافت = نظر - سورج کو منور کرنے والا نور

نظر وہ لہریں ہیں جن میں سورج کی عکس بندی بشکل نور موجود ہے۔ لہٰذا بیان کئے گئے فارمولے کے مطابق اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگر موصول شدہ عکس بندی سے نور الگ کر لیں تو بقیہ اطلاعات سورج کی ماہیت کا پتہ دیں گی۔ اس لئے سورج باطنی ماہرین کو نورانی نظر سے بصورت تارکول سیاہ نظر آتا ہے جب کہ سائنسی ناظر اپنی نظر کے مطابق سورج کو سلگتا گولا دیکھتا ہے۔ (قسط ۷)

باولی کھچڑی

قارئین! سدھ بدھ ہونا اچھی بات ہے لیکن سدھ بدھ کا تابع ہونا، داناؤں کے نزدیک ــــ نادانی ہے۔ باولی کھچڑی سے مراد کھو کر پانا ہے۔ دودھ کھویا تو کھویا پایا ــــ عمر کھوئی، تجربہ آیا۔ آنے جانے، کھونے اور پانے میں جو کھچڑی پکتی ہے، وہ زندگی کا حاصل بن جاتی ہے۔ بڑوں کا قول ہے، گھی کہاں گیا کھچڑی میں اور کھچڑی گئی پیاروں کے پیٹ میں۔ آپ بھی اس کھچڑی میں حصہ دار بن سکتے ہیں۔

عبدالحمید عدؔم کو کسی نے جوشؔ سے ملوایا اور کہا یہ عدؔم ہیں۔ عدؔم کافی جسیم تھے۔ جوش نے ان کے ڈیل ڈول کو دیکھتے ہوئے کہا، اگر عدم یہ ہے تو وجود کیا ہوگا؟

(بلال فاروقی۔ کراچی)

کسی نے استاد بیخوؔد کو اپنا کلام اس دعویٰ کے ساتھ بھیجا کہ اگرچہ وہ دلّی والا نہیں لیکن دلّی کے زبان و بیان کی سب خوبیاں اس کے کلام میں موجود ہیں، نیز زبان کی سند کے لئے دہلوی ہونا ضروری نہیں۔

استاد بیخوؔد نے معاملہ کو تاڑ کر جواب دیا، ''میرؔ نے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر زبان سیکھی، دلّی سے لکھنؤ تک دہلوی زبان کی حفاظت کی۔ ذوقؔ نے دکن کی قدر سخن کے مقابلے میں دلّی کی گلیوں کو اس لئے نہیں چھوڑا، کہیں زبان نہ بگڑ جائے۔ غالبؔ قحطِ غم الفت کے باوجود اس معمورہ میں یوں آباد رہے کہ زبان برباد نہ ہو جائے۔ اس لئے اگر دہلوی زبان میں شعر کہنے ہیں تو قلعہ دلّی کی ہوا کھانی ہوگی۔ جامع مسجد کا طواف کرنا ہوگا اور اردو بازار کی خاک چاٹنی ہوگی۔

(شہریار خان۔ پشاور)

ایک فوجی نے اپنی شادی پر یونٹ کا بینڈ بلالیا۔ جب بارات دلہن کے گھر پہنچی تو بینڈ نے دھن بجانا شروع کردی ــــ اے مردِ مجاہد جاگ ذرا

اب وقت شہادت ہے آیا

(انس سلام۔ راولپنڈی)

ایک شخص ٹیلی فون پر: کون بول رہا ہے؟

جواب آیا: میں بول رہا ہوں

پہلا شخص: کتنی عجیب بات ہے، ادھر بھی میں بول رہا ہوں۔ (رخسانہ کریم۔ حب)

ناشتہ کے وقت بیوی نے شوہر سے کہا، میں تو اہنوں انڈہ بنادیاں—؟ شوہر بولا: نئیں ،تو مینو بندہ ای رین دے۔ (علی رضا۔حیدر آباد)

ایک دوست نے دوسرے سے کہا ،کیا تمہیں معلوم ہے میرا دل کس کے پاس ہے؟

دوست نے کہا— پھیپھڑوں کے پاس۔

(دانش مغل۔لاہور)

ایک مرتبہ مولانا حاؔلی سہارن پور تشریف لے گئے۔ وہاں ایک معزز رئیس کے پاس ٹھہرے جو بڑے زمین دار بھی تھے۔گرمی کے دن تھے اور مولانا کمرے میں لیٹے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ایک کسان آیا۔ رئیس صاحب نے اس سے کہا ، یہ بزرگ جو آرام کر رہے ہیں،ان کو پنکھا جھل!

وہ پنکھا جھلنے لگا۔تھوڑی دیر بعد اس نے چپکے سے رئیس صاحب سے پوچھا، یہ کون ہیں؟ ان کو پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔رئیس نے جواب دیا،کم بخت! تو ان کو نہیں جانتا؟ حالاں کہ سارے ہندوستان میں ان کا شہرہ ہے، یہ مولوی حاؔلی ہیں۔اس پرغریب کسان نے تعجب سے کہا،جی کبھی ’’ہالی‘‘ بھی مولوی ہوئے ہیں؟

(کسان حالی کو’’ہالی‘‘سمجھا جس کے معنی ہل چلانے والے کے ہیں)۔

مولانا لیٹے تھے،کسان کا یہ فقرہ سن کر فوراً اٹھے اور رئیس صاحب سے فرمانے لگے،حضرت! اس تخلص کی داد آج ملی ہے۔ (علی زبیر۔راولپنڈی)

والی بھوپال ،نواب شاہ جہاں بیگم کے شوہر نواب صدیق حسن خاں کی خدمت میں ایک صاحب ملازمت کے لئے آئے۔نواب صاحب نے نام پوچھا تو انھوں نے جواب دیا،’’مداح الدین قادری مجددی‘‘

نواب صاحب مسکرا کر بولے،آپ کے نام میں تو بہت سی دالیں ہیں۔مولوی صاحب نے برجستہ کہا، سرکار کوئی دال تو گل جائے گی۔

نواب اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور منشی کا عہدہ دے دیا۔ (عالیہ طاہر۔شیخوپورہ)

ناواقف شخص کلام سننے کی غرض سے آتا تو شیخ امام بخش ناسخؔ نے ایسے افراد کے لئے چند بے معنی غزلیں تیار کی تھیں۔ ان میں سے کوئی شعر پڑھتے یا اسی وقت چند بے ربط الفاظ جوڑ کر موزوں کر لیتے اور سناتے۔اگر وہ سوچ میں ڈوب جاتا اور خاموش رہتا تو سمجھتے تھے کہ کچھ سمجھتا ہے ، اسے اور سناتے تھے اور اگر اس نے بے تحاشہ تعریف کرنی شروع کردی تو اس طرح کے ایک دو شعر پڑھ کر چپکے ہو رہتے۔مثلاً:

آدمی مخمل میں دیکھے ،مورچے بادام میں
ٹوٹی دریا کی کلائی ، زلف الجھی بام میں

(محسن شاہ۔کراچی)

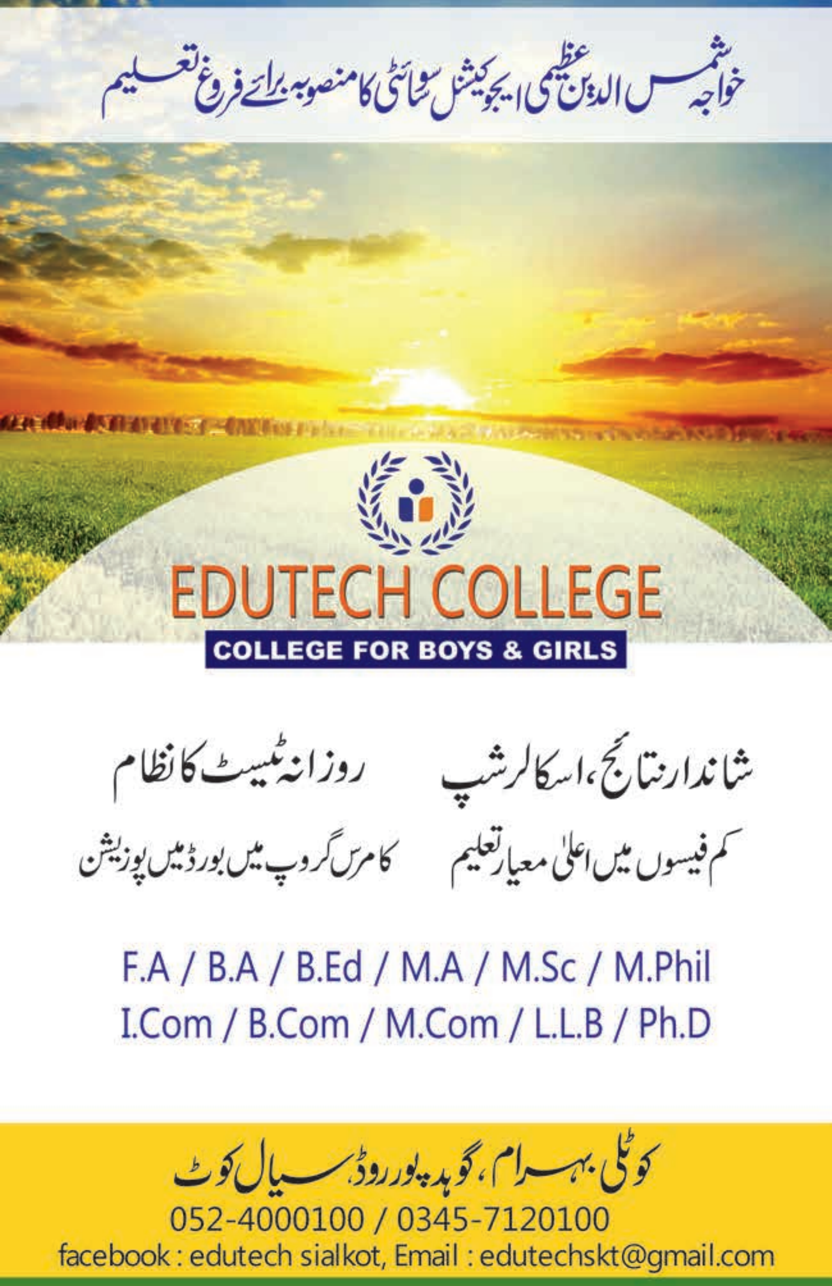

خواجہ شمس الدین عظیمی ایجوکیشنل سوسائٹی کا منصوبہ برائے فروغ تعلیم
EDUTECH COLLEGE
COLLEGE FOR BOYS & GIRLS
شاندار نتائج، اسکالر شپ
روزانہ ٹیسٹ کا نظام
کم فیسوں میں اعلیٰ معیار تعلیم
کامرس گروپ میں بورڈ میں پوزیشن
F.A / B.A / B.Ed / M.A / M.Sc / M.Phil
I.Com / B.Com / M.Com / L.L.B / Ph.D
کوٹلی بہرام، گوہد پور روڈ سیالکوٹ
052-4000100 / 0345-7120100
facebook : edutech sialkot, Email : edutechskt@gmail.com

5 DAYS SATISFACTION GUARANTEED

یقیناً گورا کرے!

وائٹ فلیم

بیوٹی کریم اینڈ فیس واش

- صرف چند دنوں میں رنگت کو دلکش، خوبصورت اور گورا بنائے۔
- کیل مہاسوں، چھائیوں اور داغ دھبوں کا خاتمہ کر کے جلد کو نئی تروتازگی بخشتی ہے۔
- آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کا خاتمہ کر کے جلد کو قدرتی تازگی فراہم کرتی ہے۔
- جلد کی جھریوں کو ختم کر کے جواں اور خوبصورت بناتی ہے۔

Stockist
Azeemi Medical Store
Densohal Karachi 021-32439104

A Product of
White Flame Cosmetics
Marketed by
NIMSA TRADERS
0344-3311313, 0335-3311313

ڈاکٹر عمران خان

اور نازل کیا آسمان سے پانی

''ہم ظاہر کو دیکھتے ہیں باطن کو نہیں دیکھتے۔ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ تو دیکھتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ کس سے دیکھ رہے ہیں۔ ہم ادراک کرتے ہیں لیکن یہ ادراک نہیں کرتے کہ کس سے ادراک کرتے ہیں۔''

ہم خوشی سے بھرپور زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور خوب جدوجہد کرتے ہیں کہ مخصوص معیارِ زندگی حاصل ہوجائے۔ بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے زندگی کے معیار کو مزید بلند کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ حالات بہتر ہوتے ہیں، آسائشیں میسر آتی ہیں لیکن — مطمئن نہیں ہوتے۔

کسی کے پاس اچھا موبائل، گاڑی، گھر، زیور یا ایسی چیز جو ہمارے پاس موجود شے سے بہتر ہے یا اس کا اپ گریڈ ورژن ہے تو حسد بھی ہوتا ہے یا کم از کم اس کے حصول کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ اکثر اوقات ایسے خواب کام کے اوقاتِ کار میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں اور ہم ان کو پورا کرنے کے لئے اہم چیزوں کو نظر انداز کرتے ہیں — پیر چادر سے باہر ہوجاتے ہیں۔

کچھ لوگ شارٹ کٹ اختیار کرلیتے ہیں تاکہ وہ چیز جلد از جلد ملکیت میں آجائے۔ جن کے پاس موجود ہے وہ متفکر رہتے ہیں۔ خوف کے سائے تعاقب میں ہوتے ہیں کہ آسائشیں چھن نہ جائیں۔ خواہشات ہیں کہ ختم نہیں ہوتیں لیکن بندہ کا اس دنیا میں وقت ختم ہوجاتا ہے۔ مرزا غالبؔ نے اس کی منظر کشی اس طرح کی ہے،

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

کیا وسائل کے انبار بقا کی ضمانت ہیں —؟

حقیقت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ان باتوں کا اطلاق ہم پر نہیں ہوتا۔ آیئے اپنے اندر جھانکیں اور غور کریں کہ جانے ان جانے میں ہم اس جال میں قید تو نہیں ہیں —؟

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں،

''غفلت میں رکھا تم کو بہتات کی حرص نے۔ یہاں تک کہ جا دیکھیں قبریں۔'' (التکاثر: ۱-۲)

وسائل کی بہتات اچھی بات ہے لیکن وسائل کو زندگی سمجھ لینا اور ان پر تکیہ کرنا، اللہ کے راستہ سے انحراف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرزِ فکر کو ناپسند فرمایا ہے۔

''جس نے سمیٹا مال اور گن گن رکھا۔ خیال رکھتا ہے کہ

اس کا مال سدا رہے گا اس کے ساتھ۔ کوئی نہیں! اس کو پھینکنا ہے اس روندنے والی میں۔'' (الھمز ۃ: ۲۔۴)

سوچ میں پاکیزگی نہ ہو تو رزق — حلال نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ نوع آدم اچھی زندگی گزارے، رزق حلال کا حصول اس کا ایک جزو ہے۔

زندگی گزارنے کے قوانین ہیں۔ اہل وعیال کے لئے اچھی زندگی کا حصول اس میں شامل ہے۔

رحمت للعالمینؐ کا ارشاد گرامی ہے:

'' بندہ جب بوڑھے والدین کے لئے رزق حلال حاصل کرتا ہے تو دراصل وہ اللہ کی راہ پر ہوتا ہے۔ بچوں کی پرورش کے لئے محنت کرتا ہے۔ وہ بندہ بھی اللہ کی راہ میں ہے جو اپنے لئے جدوجہد کرتا ہے کہ دوسروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔'' (بخاری ومسلم)

اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ آدمی ضروریات زندگی میں سستی وکاہلی کا مظاہرہ کرے۔ قرآن کریم میں ایک واقعہ مذکور ہے جب حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ سے درخواست کی کہ دعا فرمائیں، ہمارے لئے آسمان سے خوان نازل ہو۔ جواز یہ دیا کہ بغیر محنت کے کھانا مل جائے تو ہم عبادات پر پوری طرح توجہ دے سکیں گے اور معاش کی پریشانی نہیں ہوگی۔

'' بولا عیسیٰؑ، مریمؑ کا بیٹا، اے ہمارے رب! اتار ہم پر خوان آسمان سے کہ وہ دن عید رہے ہمارے پہلوں اور پچھلوں کو اور نشانی تیری طرف سے اور روزی دے ہم کو اور تو بہتر رزق دینے والا ہے۔'' (المآئدۃ: ۱۱۴)

خالق کائنات نے فرمایا،

'' میں اتاروں گا وہ خوان تم پر۔ پھر جو کوئی تم میں ناشکری کرے اس پیچھے تو میں اس کو وہ عذاب کروں گا، جو نہ کروں گا کسی کو جہان میں۔'' (المآئدۃ: ۱۱۵)

زندگی کے توازن کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔ عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ آدمی تین مراحل سے گزرتا ہے۔ غیب سے آتا ہے، کچھ وقت یہاں گزارتا ہے اور پھر غیب میں لوٹ جاتا ہے۔ کامیاب شخص وہ ہے جس کے ظاہر اور غیب میں توازن ہو۔ صرف ایک دنیا کی طرف متوجہ رہنے سے نہ صرف اِس دنیا کے معاملات متاثر ہوتے ہیں بلکہ جس دنیا میں منتقل ہونا ہے — وہاں کے معاملات بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔

مخلوق کیفیات کا مجموعہ ہے۔ کسی ایک کیفیت کو طاری کر لینے سے زندگی کا توازن متاثر ہوتا ہے ۔ بے اعتدال زندگی اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور بندہ عرفانِ الٰہی سے دور ہو جاتا ہے۔ سوال کیا جا سکتا ہے کہ رزق حلال کا معرفت سے کیا تعلق ہے — ؟

آیئے بات کو اس طرح سمجھتے ہیں — اللہ فرماتے ہیں کہ رزق اور وسائل پانی سے تخلیق ہوئے ہیں۔

'' اور ہم نے ہر جان دار شے کو پانی سے پیدا کیا۔''
(الانبیآء: ۳۰)

'' بنا دیا تم کو زمین بچھونا اور آسمان عمارت اور اتارا آسمان سے پانی، پھر نکالے اس سے میوے، کھانا تمہارا۔''
(البقرۃ: ۲۲)

کتاب ''لوح وقلم'' میں تحریر ہے:

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا——

کائنات سے پہلے کیا تھا؟

آپؐ نے فرمایا: امعاء

سوال کیا گیا: اس کے بعد کیا ہوا؟

ارشاد فرمایا: ماء

''امعاء'' عربی اصطلاح میں ایسی منفیت کو کہتے ہیں جو عقل انسانی میں نہ آسکے اور ''ماء'' عربی میں مثبت کو کہتے ہیں جو کائنات کی بنیادیں ہیں۔ اسی مثبت کا نام عالمِ امر ہے۔ امعاء جو اصطلاح میں ماوراء الماوراء نور کہلاتی ہے اس کا تعارف عالمِ نور سے ہے۔''

''منفیت اور مثبت کو اس طرح سمجھئے——اللہ کے ذہن میں موجود پروگرام کا عکس کائنات ہے۔ جب تک پروگرام ظاہر نہیں ہوا، ادراک نہیں تھا۔ پروگرام رنگوں میں ظاہر ہوا، مخلوق نے کائنات کا ادراک اور خالق کا اثبات کیا۔. پانی باطن میں نور اور ظاہر میں رنگ ہے۔ کائنات کا پھیلاؤ اللہ نور السمٰوٰت والارض ہے۔ مادی آنکھ کو نقش و نگار اس وقت نظر آتے ہیں جب رنگ ظاہر ہوں۔ پانی روشنی کا ظاہر رخ ہے۔ پانی میں رنگ و ثقل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانی سے بننے والی ہر شے میں ثقل اور رنگ ہے۔. ہر شے پانی کا مرکب ہے، پانی کی صفت چپک، چپک میں ثقل ہے۔ شے میں ربط پانی سے ہے۔ پانی میں اتنی وسعت ہے کہ ایک قطرہ سے چھ فٹ کا آدمی یا ٹنوں وزنی ہاتھی بن جاتا ہے۔ پہاڑ بھی ایک قطرہ کی وسعت کا مظہر ہے۔ ثقل کا دوسرا رخ لطافت——روشنی ہے۔''

(آج کی بات: دسمبر 2016ء)

ابدال حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں——

''ہم ظاہر کو دیکھتے ہیں باطن کو نہیں دیکھتے۔ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ تو دیکھتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ کس سے دیکھ رہے ہیں۔ ہم ادراک کرتے ہیں لیکن یہ ادراک نہیں کرتے کہ کس سے ادراک کرتے ہیں۔ اگر ہم ادراک کرلیں گے کہ کس سے ادراک کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا ادراک کر لیں گے۔ اس ہی لئے ہماری فہم صرف خلق میں کام کرتی ہے، امر تک اس کی رسائی نہیں ہوتی۔''

قارئین! سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ ہم محدودیت میں بند ہیں جس کی بنا پر وسائل کو تو دیکھتے ہیں مگر وسائل کے باطن پانی یعنی اس روشنی سے واقف نہیں ہوتے جس کا بہاؤ وسائل کو برقرار رکھے ہوئے ہے اور جو عالمِ امر سے متعلق ہے۔

انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کی سنت—— تفکر کو شعار بنالیں تو ادراک ہوگا کہ ہم کس سے ادراک کر رہے ہیں—— ذہن عالمِ امر سے واقف ہو جائے گا، ہر عمل اللہ کی خوش نودی کے لئے ہوگا۔ بالفاظِ دیگر ہم پریشان

ہوکر زندگی کے توازن کو متاثر نہیں کریں گے۔

سمجھنے کے لئے اس کیفیت کو Excellence of Intellect (دماغ کی اعلیٰ کیفیت) کہا جاسکتا ہے۔ ارسطو کا کہنا ہے کہ اس کیفیت کے حصول کے لئے ذہنی ارتکاز ضروری ہے۔

''جسم اور روح، اخلاقی قدریں اور عملی حکمت کا مرکب ہے مگر دماغ کی اعلیٰ کیفیت ایک جدا حیثیت رکھتی ہے۔ آدم زاد کی تمام تر خوشیاں اس جداگانہ حیثیت سے منسلک ہیں۔ خیال اس وقت بہترین ہوتا ہے جب ذہن بہترین حالت میں ہو یعنی جب ذہن مرکوز ہو اور کوئی وجہ اس کی پریشانی کا باعث نہ بنے — نہ آواز، نہ نگاہ، نہ تکلیف اور نہ کسی قسم کی آسودگی — یعنی خیال جسم سے آزاد ہوتا ہے تو جسم سے کم سے کم تعلق رکھتا ہے۔''

ذہنی مرکزیت سے اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ نوع آدم خوش رہے توازن برقرار رکھتے ہوئے وسائل کے لئے کوشش کرے — وسائل کے باطن سے واقف ہوکر اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرے نہ کہ وسائل کو سب کچھ سمجھ کر ان کے انبار لگانے کی تگ ودو میں رہے۔

سلسلہ عظیمیہ کے قواعد وضوابط کی شق 18 میں ہے:

''ہر شخص کو چاہئے کہ کاروبارِ حیات میں مذہبی قدروں، اخلاقی اور معاشرتی قوانین کا احترام کرتے ہوئے پوری پوری جدوجہد اور کوشش کرے لیکن نتیجہ پر نظر نہ رکھے۔ نتیجہ اللہ کے اوپر چھوڑ دے۔ اس لئے کہ آدمی حالات کے ہاتھوں میں کھلونا ہے۔ حالات جس طرح چابی بھر دیتے ہیں آدمی اس طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ بے شک اللہ قادر مطلق اور ہر چیز پر محیط ہے۔ حالات پر اس کی گرفت ہے۔ وہ جب چاہے اور جس طرح چاہے حالات میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ معاش کے حصول میں معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی قدروں کا پورا پورا احترام کرنا ہر شخص کے اوپر فرض ہے۔''

وسائل کیا ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کس طور مہیا کیا ہے — ؟ ارشاد ہے،

''اللہ ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے پھل پیدا کئے۔ جس نے کشتی کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لئے مسخر کیا۔ جس نے سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جارہے ہیں اور رات اور دن کو تمہارے لئے مسخر کیا۔ جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔''

(ابراھیم: ۳۲-۳۴)

قرآن کریم کی اس آیت میں غور وفکر کیجئے، معنی و مفہوم میں واضح جواب موجود ہے۔

قیصر رسول
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ کمپیوٹر سائنس
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

شکر اور عرفان نفس

شاہ راہ پر سو گاڑیاں 80 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہیں۔ کسی وجہ سے ایک گاڑی میں کوئی نقص آجاتا ہے اور وہ 80 میل کی رفتار سے چلتے چلتے ایک دم دو میل کی رفتار پر آجاتی ہے۔ پیچھے آنے والی تمام گاڑیاں اس گاڑی سے ٹکرا جاتی ہیں کیوں کہ رفتار کی وجہ سے سرکل قائم تھا۔

دو اشخاص تھے۔ ایک کو اللہ نے انگور کے دو باغ عطا فرمائے۔ باغوں کے گرد کھجوروں کے درختوں کی باڑ لگائی اور ان کے درمیان کاشت کی زمین رکھی۔ پیداوار میں خوب اضافہ ہوا۔ اللہ نے دونوں باغوں کے درمیان نہر جاری کردی۔ یہ سب حاصل کر کے باغوں کے مالک نے ایک دن اپنے ہمسائے سے کہا— میں تجھ سے زیادہ مال دار ہوں اور تجھ سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ دولت کبھی فنا ہوگی اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت آئے گی۔ اگر میں کبھی رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو اس باغ سے بہتر پاؤں گا۔ اس کے ہمسائے نے جواب دیا،

''کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کھڑا کیا۔ رہا میں تو میرا رب اللہ ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اور جب تو اپنی جنت میں داخل ہو رہا تھا تو اس وقت تیری زبان سے یہ کیوں نہ نکلا کہ ماشاء اللہ، لاقوۃ الّا باللہ۔ اگر تو مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم تر پا رہا ہے تو بعید نہیں کہ میرا رب مجھے تیری جنت سے بہتر عطا فرمادے اور تیری جنت پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے جس سے وہ صاف میدان بن کر رہ جائے یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے اور پھر تو اسے کسی طرح نہ نکال سکے۔ ہوا یہ کہ اس کا باغ اجڑ گیا اور وہ اپنے انگوروں کے باغ کو ٹٹیوں پر الٹا پڑا دیکھ کر اپنی لگائی ہوئی لاگت پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور بولا، کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا۔'' (الکھف: ۳۷۔۴۲)

مذکورہ واقعہ سے دو طرزِ فکر (مائنڈ سیٹ) آشکار ہوتی ہیں۔ ایک ناشکری جب کہ دوسرا مائنڈ سیٹ شکر گزاری کا ہے۔ ناشکرا آدمی اللہ پر یقین نہیں رکھتا۔ روزِ آخرت کو جھٹلاتا ہے، وسائل کو غیر فانی اور اپنے زورِ بازو کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ اپنی پیدائش اور دنیا کی بے ثباتی پر غور نہیں کرتا۔ نعمتوں پر اتراتا ہے اور دوسروں کو

حقیر سمجھتا ہے۔اس کے برعکس شکر گزار بندہ جانتا ہے کہ یکتا ہستی نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی زندگی اور وسائل فراہم کرتا ہے۔ وہ خالق، رازق، روزِ جزا کا مالک ہے اور ہمیں اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

ہر آدمی کبھی نہ کبھی سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ وہ کون ہے، کیا ہے، کہاں سے آیا ہے اور جانا کہاں ہے۔ روزمرّہ کی تیز رفتاری اور چکا چوند سے ہٹ کر سوچیں تو ذہن میں ایک ہی بات آتی ہے کہ میں پیدا کیا گیا ہوں۔سوچ میں گہرائی سے یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ زندگی، پیدائش، شعور میں آنا، بچپن لڑکپن میں چھپنا، جوانی میں داخل ہونا، بڑھاپا اور پھر سفر آخرت— کسی مرحلہ پر میرا اختیار یا عمل دخل نہیں ہے۔ ہر عمل لگے بندھے اصول کے تحت ہو رہا ہے— اصول کو بنانے اور عمل کے دائرہ میں لانے والی ہستی رب ہے۔

''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔'' (الفاتحہ:۱۔۲)

رحمت للعالمینؐ کا فرمان ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔یعنی رب کی پہچان، اپنے آپ کو پہچاننے میں مخفی ہے۔

عرفان نفس کیا ہے—؟ عرفان نفس میں خواہشات اور شہوت کی معرفت نہیں ہے، بدن کی معرفت نہیں ہے، ماں باپ عزیز واقارب کی پہچان نہیں ہے، اپنے گھر، شہر اور وطن کی پہچان نہیں ہے، ساری دنیا کے علم کی پہچان نہیں ہے بلکہ سمجھنا ہے کہ قدرت نے مجھے کیوں پیدا کیا ہے؟ کون سا جوہر واحد چھپا کر مجھے عدم سے وجود میں بھیجا ہے؟ کیا مجھے محض میری اپنی ذات کے لیے پیدا کیا ہے؟

اگر بندہ اپنی کنہ اور پیدائش کی غایت تک پہنچ جائے کہ وہ خود اپنی ذات میں کیا کچھ ہے تو سمجھ لو کہ اس بندہ نے خود کو پالیا، سمجھ لیا، مان لیا، پہچان لیا۔ جب یقین، عین الیقین اور حق الیقین تک آ پہنچا تو تمام سفر مقصد مکمل ہوکر فہو المراد بن گیا۔ جب جزو نے کل کا مقصد حکم پالیا تو وہ جزو کہاں رہا۔ اس مقام پر جا پہنچا جس کا اخفا میں رکھنا بیان کر دینے سے زیادہ ارفع ہے۔

میں کیا ہوں، کون ہوں، دراصل اطلاع ہے۔ شعور پہلے شے کے خدوخال اور پھر صفات سے متعارف ہوتا ہے۔ ذہن میں کوئی تصویر ابھرتی ہے تو پہلے پہچاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ کیا ہے۔ اسی طرح بندہ جب اپنے بارے میں سوچتا ہے تو کہتا ہے کہ میں کون ہوں؟ سوچ بچار میں گہرائی سے جواب مل جاتا ہے۔

قانون قدرت کے مطابق ہر شے کے دو رخ ہیں۔ سوال کا ایک رخ سوال تو دوسرا رخ جواب ہے۔ ایک رخ ظاہری شکل وصورت کا خاکہ ہے تو خاکہ کے اندر رنگ بھرنے والی روشنیاں شے کا دوسرا رخ ہیں۔ اصل بات یہ ہے، ہماری حقیقت روح ہے۔ روح نے مٹی کے جسم کو لباس بنایا ہے۔ محدود شعور سے روح کو دیکھا

نہیں جاسکتا اس لئے روح ہمارے لئے غیب ہے۔

زندگی غیب سے فراہم کردہ اطلاعات پر رواں ہے۔ حرکت غیب سے ظاہر میں آکر واپس چلی جاتی ہے۔ بندہ جب قدرت کے اس نظام کا علم حاصل کر لیتا ہے تو یہ بات یقین بن جاتی ہے کہ ہر شے اللہ کی جانب سے آرہی ہے اور اللہ کی جانب لوٹ رہی ہے۔ وہ اس بات سے واقف ہو جاتا ہے کہ زندگی میں پیش آنے والی ہر واردات اندر سے آرہی ہے۔

صفات کا تعلق ذات سے ہے ۔ بغیر ذات کے صفات کا وجود ممکن نہیں۔ ذات و صفات کو الگ نہیں کیا جاسکتا لیکن صفات — ذات کے تابع ہیں۔

پس ایمان والے اور شکر گزار بندے وہ ہیں جن کو اپنی ذات کا عرفان حاصل ہو۔ ذات کا عرفان وہ مقام ہے جہاں عالم ارواح میں روحوں نے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ بندہ جب بندگی کے مقام سے واقف ہو جاتا ہے تو اسے ذات کا عرفان حاصل ہو جاتا ہے۔ عرفان نفس کے بغیر شکر گزاری کی تعریف مکمل نہیں ہوتی۔

صحت، مال و دولت، عقل و شعور، علم و آگہی، اولاد، ماں باپ، بہن بھائی، عزیز و اقارب اور شہر و ملک — نعمتیں ہیں۔ نعمتوں کا مثبت اور مخلوق کے فائدہ کے لئے استعمال شکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے آل داؤد، عمل کرو شکر کے طریقہ پر، میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔'' (سبا:۱۳)

ارشاد باری ہے کہ شکر کرنے والوں کی نعمتوں میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جو آدمی اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو اپنے اور بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے استعمال کرتا ہے وہ ترقی کرتا ہے۔ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

''ایک شخص نے جس کو کتاب کا علم تھا کہا، میں آپ کی آنکھ کے جھپکنے سے پہلے اسے آپ کے پاس حاضر کئے دیتا ہوں۔ جب سلیمانؑ نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا، یہ میرے پرودگار کا فضل ہے تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر ادا کرتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں۔ اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے فائدہ کے لئے کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا پرودگار بے پروا اور اپنی ذات میں بزرگ ہے۔'' (النمل:۴۰)

ان آیات میں دیگر علوم کے ساتھ آداب تشکر کے اصول بھی ہیں۔

''اور جب تمہارے پرودگار نے تم کو آگاہ کیا کہ اگر شکر کرو گے تو تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔'' (ابراھیم: ۷)

اس میں دنیاوی نعمتیں بھی شامل ہیں اور روحانی صلاحیتیں اور علم بھی۔ استعمال سے صلاحیتوں کو اور زیادہ جِلا ملتی ہے۔ علم میں اضافہ سے ذہن و دل کھلتا ہے۔ علم سیکھ کر عمل میں نہیں لایا جائے یا دوسروں کو منتقل نہ کیا جائے تو کچھ عرصہ بعد بندہ بھول جاتا ہے، اس طرح وہ کفران نعمت کرتا ہے۔

کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، ریکارڈ ہو جاتا ہے۔

نعمت کو استعمال کر کے فائدہ ملتا ہے اور خوشی ہوتی ہے۔ اللہ بندہ کو خوش دیکھ کر مزید نوازتا ہے، اللہ کی صفتِ کریمانہ جوش میں آتی ہے۔

ماں باپ بچہ کو کھلونا خرید کر دیتے ہیں۔ بچہ کھلونے سے خوش ہو کر کھیلتا ہے تو ماں باپ اسے دوسرا کھلونا لا کر دیتے ہیں تا کہ اس کی خوشی اور دلچسپی برقرار رہے۔ ماں باپ اور بچہ کے درمیان ایسا رشتہ ہے کہ بچہ کو تکلیف پہنچتی ہے تو ماں باپ کو بھی درد ہوتا ہے۔

اللہ رب العالمین ہے، اس نے مخلوق کی خوشی کے لئے ہر طرح کے وسائل فراہم کئے ہیں۔ اللہ — مخلوق کو خوش دیکھنا چاہتا ہے۔ ناخوشی سے نظام میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے جس سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں۔

مثال: شاہ راہ پر سو گاڑیاں 80 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہیں۔ کسی وجہ سے ایک گاڑی میں کوئی نقص آجاتا ہے، وہ 80 میل کی رفتار سے چلتے چلتے ایک دم دو میل کی رفتار پر آجاتی ہے۔ پیچھے آنے والی تمام گاڑیاں اس گاڑی سے ٹکرا جاتی ہیں کیوں کہ رفتار کی وجہ سے سرکل قائم تھا اور سب اپنی جگہ پر چل رہے تھے، رفتار میں کمی سے تصادم ہوا اور نظام میں خرابی پیدا ہوگئی۔

جب بندہ صلاحیتوں سے خاطر خواہ کام نہیں لیتا تو دینے والے کی نظر ان معاملات کو ذخیرہ اندوزی میں شمار کرتی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے نظام میں حرکت ہے۔ گردش سے دائرہ بنتا ہے۔ چاند، سورج، ستارے، دن، رات، زندگی، موت، بچپن، جوانی، بڑھاپا — سب گردش میں ہیں۔ آدمی لوٹ کر اسی مقام پر آجاتا ہے جہاں سے وہ دنیا میں آیا تھا۔

مضمون میں متعدد مرتبہ نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ نعمت کے کیا معنی ہیں —؟ غور و فکر ہمیں اس وجود کی طرف متوجہ کرتی ہے جو اللہ سے قریب ترین ہے۔ یہ وجود روح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے "کن" سے کائنات کو ظاہر کیا اور روح آدم کو اسمائے الٰہیہ کے علوم عطا کیے۔ احسن الخالقین اللہ، ذات میں یکتا اور صفات میں علیم ہے۔

روح کو اللہ کی صفت علیم کے ساتھ نسبت ہے۔ اس نسبت کا عکس نوع انسان کو عطا کیا گیا ہے۔ جس لمحہ یہ نسبت ٹوٹ گئی، مخلوق کا وجود ختم ہو جائے گا۔ پس نوع آدم کے لئے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی صفات کے علوم ہیں۔ جو بندہ، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ان علوم کے سیکھنے کی جانب پیش رفت کرتا ہے اللہ پاک اس کو اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں۔

شکر کا تقاضا ہے کہ بندہ روحانی صلاحیتوں کو بیدار کرے تا کہ اپنے ازلی وجود (روح) کو پہچان سکے اور ازلی شعور (روحانی شعور) کے ساتھ رب کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرے۔

پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ کی ربوبیت کو پہچانیں۔ جو لوگ ربوبیت کے راز سے واقف ہو گئے

انہوں نے فلاح کا راستہ ڈھونڈ لیا اور جان لیا کہ مادی دنیا کی آسائشیں عارضی ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ، بلخ کے بادشاہ تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کی ہدایت انہیں پہنچی تو ان پر نعمتوں اور سلطنتوں کے اسرار کھل گئے۔ انہوں نے دنیا کی سلطنت چھوڑ دی اور اللہ نے اپنے خزانے ان پر کھول دیئے۔

روایت ہے کہ ایک بار حضرت ابراہیم بن ادھمؒ دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھے گُدڑی سی رہے تھے کہ ایک شخص نے پوچھا، بلخ کی سلطنت چھوڑ کر آپ کو کیا ملا——؟

انہوں نے سوئی دریا میں ڈال دی اور اشارہ کیا——

مچھلیاں دجلہ سے نکلیں اور منہ میں سونے کی سوئیاں تھیں۔ فرمایا، مجھے یہ سوئیاں نہیں چاہئیں، میں اپنی سوئی چاہتا ہوں۔ ایک چھوٹی مچھلی سامنے آئی۔ اس کے منہ میں آپ کی سوئی تھی۔ سوئی لے لی اور سوال کرنے والے سے کہا، بلخ کی سلطنت ترک کرکے جو ادنیٰ بات مجھے حاصل ہوئی وہ یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات انسان کے لیے بنائی ہے اور انسان اس سے فائدہ اور لطف اٹھا سکتا ہے بشرط یہ کہ اپنے اندر کائناتی صلاحیتیں بیدار کرلے۔ روحانی صلاحیتوں کو بیدار کرنا—— اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ نعمتیں موجود ہونے کے باوجود ان کو استعمال نہ کیا جائے تو یہ کفرانِ نعمت ہے۔ اللہ پاک ہمیں اپنی روح کا عرفان عطا فرمائے، آمین۔

محبت کی ترازو

وہ روزانہ ایک بوڑھی خاتون سے کینو خریدتا تھا۔ خاتون کینو گن کر تھیلے میں ڈالتی، وہ قیمت ادا کرتا، اس دوران کھڑے کھڑے تھیلی میں سے دانہ نکالتا، چھیلتا اور قاش منہ میں ڈال کر شکایت کرتا کہ کینو کھٹے ہیں——دانہ خاتون کو دے دیتا۔ بوڑھی خاتون کینو کی قاش کھاتی تو وہ میٹھا ہوتا۔ لیکن اس وقت تک وہ آدمی جا چکا ہوتا۔ ایک دن بیوی نے کہا، اس کے کینو میٹھے ہوتے ہیں، تم روز کیا ڈرامہ کرتے ہو؟ وہ مسکرایا اور بولا——یہ اماں کینو بیچتی ہیں لیکن خود نہیں کھاتیں۔ اس طرح میں اسے روزانہ کینو کھلا دیتا ہوں کہ اس کا فائدہ ہو جائے اور اس کے روپے بھی خرچ نہ ہوں۔ بس یہی وجہ ہے۔ ایک سبزی فروش بوڑھی اماں کے ٹھیلے کے ساتھ اپنا ٹھیلا لگاتا تھا اور روزانہ اس آدمی کو شکایت کرتا دیکھتا۔ ایک دن کہا—— اماں یہ شخص بدتمیز ہے، ہر روز تم سے بحث کرتا ہے اور تم ہو کہ ایک درجن میں ایک کینو زیادہ ڈالتی ہو۔ بوڑھی اماں مسکرائی——بیٹا میں نے دھوپ میں بال سفید نہیں کئے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں خود بھی کینو کھاؤں، اس لئے ایسا کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ سب میں نہیں سمجھتی۔ رہی بات اضافی کینو کی تو میں نے کبھی اسے اضافی کینو نہیں دیا—— محبت ہمیشہ ترازو کا کانٹا اس کی طرف جھکا دیتی ہے۔

PRIME LACE INDUSTRIES
(PVT.) LTD.

Manufacturer of
Embroidery Lace & Fabrics

C-8, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381

ڈاکٹر نگینہ ایشور چندر

بلیک ہولز کیا ہیں۔۔۔؟

اس نظریہ کو درست مان لیا جائے تو کائنات کی تشکیل کے بارے میں بگ بینگ کا نظریہ غلط ثابت ہو جاتا ہے۔یعنی کائنات بڑے دھماکے کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی بلیک ہول سے اخراج شدہ مادہ کی وجہ سے وجود میں آئی ہے۔وہ خارج ہونے والا مادہ کہاں سے آیا، سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

آدمی اور کائنات ایسے رشتہ میں بندھے ہوئے ہیں جو عیاں ہو کر بھی نہاں ہے۔اس تعلق میں پنہاں کائناتی رموز ابتدا سے نوع آدم کے تجسس کا سبب ہیں۔کم علمی اور قیاس آرائیوں کی وجہ سے آسمان پر ستاروں، سیاروں کو کبھی دیوتاؤں سے جوڑا گیا اور کبھی ان کی مدد سے قسمت کا حال تلاش کرنا شروع کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ نظریات میں اضافہ ہوا، کچھ لوگوں نے کہا کہ دنیا دراصل چپٹی طشتری ہے جو بہت بڑے کچھوے کی پشت پر دھری ہے، کسی کو چاند پر بوڑھی عورت چرخہ کاتتی ہوئی نظر آئی۔

جستجو اور تحقیق کے سفر میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں ارتقا کی مناسبت سے سائنسی نظریات ایک کے بعد ایک تبدیل اور مسترد ہوتے رہے۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی سائنس کسی حتمی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکی۔موجودہ سائنس کو ہم لمحہ موجود تک کا سفر کہہ سکتے ہیں جو جاری ہے۔

زمین سورج کے گرد گھومتی ہے اور سورج ستاروں کے گرد گردش کرتا ہے۔ نظام شمسی، کہکشائیں متعین ضابطوں اور قوانین کے تحت کام کر رہی ہیں۔

کائنات کے پھیلاؤ سے متعلق تحقیق و تلاش نے فلکیات میں Black Hole کی اصطلاح کو جنم دیا جس نے ماہرین فلکیات کو گومگو کیفیت میں ڈال رکھا ہے۔ بلیک ہولز کیا ہیں اور کیسے بنتے ہیں، اس جیسے کئی سوالات زیرِ غور ہیں۔ بلیک ہولز کے بارے میں مختلف نظریات سامنے آئے ہیں۔

بلیک ہول کی اصطلاح امریکی ماہر فلکیات جان وھیلر نے 1969ء میں استعمال کی۔اس کا تصور 200 سال پہلے ایک جرمن محقق جان مشل پیش کر چکے تھے۔انہوں نے بتایا تھا کہ ستارہ کے مادہ کی مقدار (کمیت) بے انتہا بڑھ جائے تو روشنی کشش ثقل سے باہر نہیں آ سکتی۔مشل نے نشان دہی کی کہ بلیک ہول اپنے قریبی اجسام پر گریویٹیشنل (تجاذبی) قوت کے ذریعے عمل کرتا ہے۔

مشل کے علاوہ 1796ء میں اسی طرح کا خیال فرانسیسی ریاضی داں سائمن لیپلاس نے پیش کیا جب کہ عمومی نظریہ اضافیت بھی اسے پیش کرتا ہے۔

بلیک ہول دراصل ستارہ کی زندگی کے مختلف ادوار کی ممکنہ شکل ہے۔ جب کوئی ستارہ زندگی پوری کرلیتا ہے تو اس میں سکڑنے کا عمل شروع ہوجاتا ہے اور ایک مقام پر وہ ننھے ستارہ یا بونے ستارہ میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

سائنس کے مطابق ستارے دراصل ہائیڈروجن اور ہیلیم گیسوں کے منجمد اجسام ہیں جو ہر سیکنڈ میں اربوں ٹن ہائیڈروجن جلاتے ہیں جس کی وجہ سے چمکتے نظر آتے ہیں۔ درجہ حرارت کے لحاظ سے ستاروں کی یہ اقسام ہیں:

★ نیلا جائنٹ ★ سرخ جائنٹ

بہت زیادہ گرم ستارے نیلا رنگ خارج کرتے ہیں اور نیلے جائنٹ کہلاتے ہیں۔ ان کے مرکز میں موجود ہائیڈروجن جلنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے تو وہ سرخ جائنٹ ہوجاتے ہیں۔ ہیلیم گیس کے دباؤ سے زوردار دھماکا ہوتا ہے جسے سائنس میں ''سپرنووا'' کہا جاتا ہے۔ سپرنووا کے نتیجہ میں ستارہ کا بڑا حصہ خلا میں بکھرتا ہے اور نئے ستارے اور کہکشائیں جنم لیتی ہیں۔ سپرنووا کے دوران بے حد تیز روشنی خارج ہوتی ہے اور ستارہ کا مرکز سکڑ کر بجھ جاتا ہے — یہ بلیک ہول ہے۔

باقی رہ جانے والا حصہ بالکل ٹھنڈا ہوتا ہے جہاں فیوژن (جوہری ادغام) نہیں ہوسکتا۔ ٹھنڈے حصہ میں کشش کی قوت بڑھتی ہے، حجم کم ہونا شروع ہوتا ہے اور کثافت (Density) میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے جب ستارہ کا حجم صفر ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک نقطہ پر آجاتا ہے۔ کثافت اتنی زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ وہاں سے روشنی کا اخراج ممکن نہیں رہتا۔ گویا پہاڑ کا حجم چمچہ میں سما دیا گیا ہو۔ یہ مادہ کی بے پناہ کثیف حالت ہے۔ نتیجہ میں اس کی کشش ثقل بے انتہا بڑھ جاتی ہے اور پھر وہ اپنے اطراف کے اجرام فلکی، گیس اور دھول کو اپنے اندر جذب کرنا شروع کردیتا ہے جس سے تابکاری کا اخراج ہوتا ہے۔ اطراف میں کھا جانے والے مادہ کی روشنی و اثرات سے ''سیاہ گڑھے'' کی نشان دہی ہوتی ہے ورنہ بلیک ہول کا وجود آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے۔

جہاں تک کشش ثقل بھرپور توانائی کے ساتھ عمل کرتی ہے، اسے ''واقعاتی افق'' یا ''ایونٹ ہورائزن'' کہا جاتا ہے۔ سیاہ گڑھا اس کے اندر آنے والے مادی اجسام کو قید کرلیتا ہے حتیٰ کہ روشنی جیسی برق رفتار شے بھی یہاں پہنچ کر بے بس ہوجاتی ہے اور فرار نہیں ہوسکتی۔ جن اجسام کو بلیک ہول جذب کرتے ہیں ان سے تابکار شعاعیں خارج ہوتی ہیں۔ بلیک ہول کے دہانہ سے چلتا ہوا مواد بیرونی خلا میں مخصوص دھارے کی شکل میں بہتا ہے، جسے ''جیٹس'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ حالت ستارہ کی آخری منزل کہلاتی ہے۔ روشنی کھوجانے سے وہ مردار ستارہ Dead Star کہلاتا ہے۔ جب کوئی ستارہ اس حالت کو پہنچتا ہے تو اسے

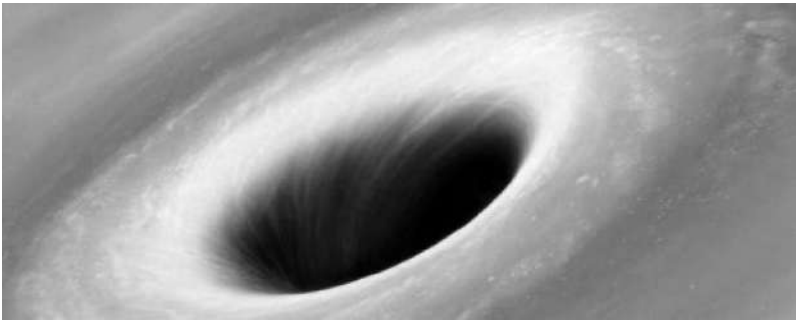

بلیک ہول کا نام دے دیا جاتا ہے۔

گویا بلیک ہولز کشش ثقل کے وہ تجاذبی سیاہ میدان ہیں جو کائنات سے روشنی اور ستاروں کو اپنے اندر کھینچ لیتے ہیں۔ بلیک ہولز دوسرے فلکی اجسام کی نسبت ایک ارب گنا مدھم ہیں، موجودگی کا احساس جیٹس سے ہوتا ہے جس میں تابکاری کی موجودگی سے تاریک گڑھے کا وجود ثابت ہوجاتا ہے۔

حالیہ نظریہ کے مطابق بلیک ہولز دراصل کسی دوسری کائنات تک پہنچنے کے لئے راستہ یا دروازہ کا کام کرتے ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق بلیک ہولز کی حیثیت کسی تاریک غار کے بجائے دو کائناتوں کے درمیان سرنگ (Tunnel) کی ہے۔ یہ ایک کائنات سے کسی نامعلوم دوسری کائنات میں جانے کا ایسا راستہ ہے جس کے ذریعے بہت بڑا یعنی نوری سالوں پر محیط فاصلہ بہت کم وقت میں طے کیا جاسکتا ہے۔

بلیک ہول کی بے انتہا کشش کی وجہ سے اس میں جو مادہ گرتا ہے وہ بلیک ہول کے اندر جمع ہونے کی بجائے دوسری طرف سے نکل جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر بلیک ہول میں جمع ہونے والی کہکشائیں، ستارے، سیارے دوسری طرف ایک دوسری کائنات کی تشکیل میں استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی بلیک ہولز، اصل میں بلیک ہولز نہیں بلکہ وورم ہولز (Wormholes) ہیں۔

اسٹیفن ہاکنگ کا بھی یہی کہنا ہے کہ بلیک ہول میں گرنے والا جسم کسی اور کائنات میں جاسکتا ہے جو ہماری جیسی کائنات ہوسکتی ہے۔ ہاکنگ کہتے ہیں کہ کائنات میں ڈیٹا ضائع نہیں ہوتا بلکہ کسی نہ کسی شکل میں محفوظ رہتا ہے کیوں کہ بلیک ہول سے روشنی پلٹ کر واپس نہیں آتی اسی لئے وہاں کی تبدیلیوں کا ڈیٹا ہمیں حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ممکن بنایا جائے کہ وہاں کی معلومات تک ہماری رسائی ہوسکے۔

بلیک ہول کے گرد گھومتی گیس، مادے اور سیارے اس کی انضمامی ڈسک (Accretion Disk) کے اندر رہتے ہیں۔ وہ علاقہ جہاں سے واپسی ممکن نہیں یعنی Point of No Return اس ڈسک کے آگے

ہے جسے واقعاتی افق کہا جاتا ہے۔اس افق سے آگے کچھ بھی جائے خواہ وہ روشنی ہی ہو، واپس نہیں آسکتی۔

بلیک ہول میں موجود مادہ میں اتنی زیادہ کثافت ہے کہ اس کے مادہ کا ایک چمچ، زمین کے اوزان کے مطابق اربوں ٹن ہے۔بلیک ہول بننے کا عمل لاکھوں سال پر مشتمل ہے۔اس دوران کچھ بلیک ہول تیزی سے حرکت پذیر ذرّات کو دھاروں کی شکل میں خارج کرتے ہیں۔خارج ہونے والے دھاروں کی لمبائی حیران کن ہے۔ ہر دھارا بہت دور تک رسائی رکھتا ہے اور پلوٹو کے مدار کو بھی پیچھے چھوڑ سکتا ہے۔

اس نظریہ کو درست مان لیا جائے تو کائنات کی تشکیل کے بارے میں بگ بینگ کا نظریہ غلط ثابت ہو جاتا ہے۔یعنی کائنات بڑے دھماکے کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی بلیک ہول سے اخراج شدہ مادہ کی وجہ سے وجود میں آئی ہے۔وہ خارج ہونے والا مادہ کہاں سے آیا، سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

محقق نیل باؤڈلر کا کہنا ہے کہ بلیک ہولز کے بارے میں کام یابی کے باوجود محقق یہ نہیں جان سکے کہ بلیک ہول کے اندر کیا ہے۔سائنس کا ماننا ہے کہ یہ اور اس جیسے بہت سے سوالات کا کوئی جواب نہیں کیوں کہ بلیک ہول کے اندر ہماری طبیعات کے تمام قوانین دم توڑ دیتے ہیں۔تاہم کیا یہ نیا نظریہ درست ثابت ہوتا ہے یا اس کی جگہ لینے کے لئے کوئی اور نیا نظریہ سامنے آتا ہے اس کا فیصلہ آنے والا وقت اور اس موضوع پر نئی تحقیق کرے گی لیکن یہ بات اس وقت تک مسلم ہے کہ بلیک ہولز کائنات کے سب سے پراسرار اجسام ہیں جن کا کھوج لگانے میں سائنس کو ناکامی کی حد تک دشواریاں ہیں۔

بلیک ہولز کی جسامت بہت کم ہوتی ہے، مثلاً سورج کے برابر کمیت رکھنے والے بلیک ہول کا نصف قطر صرف تین کلومیٹر ہوگا۔تاہم کائنات میں انتہائی بڑے بلیک ہولز بھی ہیں جن کی کمیت 100 ارب ستاروں کے برابر ہوسکتی ہے۔ یہ چھوٹے بلیک ہولز جیسے ہوتے ہیں، ان میں بہت زیادہ مقدار میں مادہ کی موجودگی سے ان کی جسامت اور کشش بہت زیادہ ہوسکتی ہے۔اس حجم کے بلیک ہولز مختلف کہکشاؤں کے مرکز میں پائے جاتے ہیں۔ماہرین فلکیات نے حالیہ برسوں میں دو انتہائی بڑے بلیک ہولز کا سراغ لگایا جو اب تک کے سب سے بڑے بلیک ہولز ہیں۔سائنسی رسالہ ''نیچر'' کے مطابق جن بلیک ہولز کو ماہرین فلکیات کی ٹیم نے خلا میں ڈھونڈ نکالا ہے، وہ ہماری پڑوسی کہکشاؤں کے مرکز میں واقع ہیں اور سورج سے 10 ارب گنا بڑے ہیں۔ ہماری کہکشاں کے مرکز میں ایسا ایک بہت بڑا بلیک ہول ہے جس کی کمیت کے بارے میں ماہرین کا اندازہ ہے کہ یہ ہمارے سورج سے 40 لاکھ گنا زیادہ ہے۔یعنی اس ایک بلیک ہول میں ہمارے سورج جیسے 40 لاکھ ستاروں سے بھی زیادہ کا مادہ ہے۔

کہکشاؤں کے مرکز میں دیو ہیکل بلیک ہولز عظیم الشان حجم رکھنے والی کہکشاؤں کا توازن برقرار رکھنے میں اہم ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا کائنات کا کوئی مرکز ہے۔ یہ سوال بھی راز ہے کہ بلیک ہولز اور کہکشاؤں کی یک جا صورت میں نشو ونما کیسے ہوتی ہے؟

مادی سائنسی کے مطابق بلیک ہولز دراصل کائنات میں انتہائی دور دراز فاصلوں پر موجود کہکشاؤں میں بنتے ہیں۔ موجودگی کا پتہ ان کے قریب موجود کہکشاؤں، ستاروں، خلائی دھند یا گرد پر اثرات کے ذریعے لگایا جاتا ہے یا پھر اس وقت جب بلیک ہولز آس پاس موجود اجسام کو نگلتا ہے اور وہ تابکار شعاعیں پیدا کرتے ہیں۔

اس عمل کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ مادہ چاہے وہ مٹھی بھر ہو یا ایک سیارہ ـــ مختلف اجزا جیسے ثقل، برقی مقناطیسیت وغیرہ کی وجہ سے مستحکم حالت قائم کرتا ہے۔ جب مادہ کثافت کی خطرناک حد تک پہنچتا ہے تو اس میں موجود قوتیں کشش ثقل کے سامنے بے بس ہو جاتی ہیں اور نتیجہ میں مادی جسم چاہے وہ سیارہ ہی کیوں نہ ہو، اپنے اندر سمٹ جاتا ہے یا منہدم ہو جاتا ہے۔ سمٹنے سے اپنی اونچائی اور چوڑائی کھو دیتا ہے اور صفر ہو جاتا ہے۔ اس حالت کو Singularity کہتے ہیں جس سے بلیک ہولز وجود میں آتے ہیں۔ بلیک ہول کی نشان دہی صرف اس عمل سے ہوسکتی ہے۔

سائنس کے مطابق Singularity ایسا مقام ہے جہاں زمان و مکان کا تصور بے معنی ہو جاتا ہے۔ محققین صحیح طور سے جواب دینے سے معذور ہیں کہ بلیک ہول میں کیا ہو رہا ہے۔ سائنس کے لئے یہ حوصلہ افزا نہیں کہ صرف یہ معلوم ہو کہ خلائے بسیط میں کچھ اجسام ایسے ہیں جن پر موجودہ قوانین طبیعیات کا اطلاق نہیں ہوتا۔ دوربین صرف اتنا بتاتی ہے کہ مرتے ہوئے ستاروں سے بلیک ہولز وجود میں آتے ہیں اور یہ کہ ان میں سے زیادہ تر کا قطر صرف بیس میل کے لگ بھگ ہے۔ اس کے باوجود اب تک یہ معلوم نہیں کیا جاسکا کہ بلیک ہول کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ شروع میں ماہرین طبیعیات، بلیک ہولز کے نظریہ سے خائف تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ کسی طرح بلیک ہولز کا نظریہ ناممکن اور ناقابل قبول ثابت ہو جائے کیوں کہ وہ قوانین طبیعیات جن سے ہمارا روزمرّہ میں واسطہ پڑتا ہے، ان کا اطلاق بلیک ہولز پر نہیں ہوتا ـــ وقت وہاں ساکن ہو جاتا ہے۔ قوتِ ثقل لامحدود اور لامتناہی ہو جاتی ہے۔

معلوم بلیک ہولز میں سے چار کا مختصر تعارف:

۱۔ Cygnus X-1: یہ Steller ہے اور ایکس رے مشاہدات کے مطابق ہم سے تقریباً چھ ہزار نوری سال کے فاصلہ پر ہے۔

۲۔ Sagittarius A: یہ ہماری کہکشاں کے عین مرکز میں ہے۔ کمیت تقریباً چالیس لاکھ سورج کے برابر ہے۔ محققین کے مطابق یہ چھبیس ہزار

نوری سال کے فاصلہ پر ہے اس لئے خطرہ نہیں کہ یہ ہمیں کھا جائے گا۔

۳۔ M 87: دور پرے کسی کہکشاں میں ہے۔ کمیت ساڑھے چھ ارب سورج کے برابر مانی جاتی ہے۔ہم سے تقریباً 53500000 (پانچ کروڑ پینتیس لاکھ) نوری برس کے فاصلہ پر ہے۔

۴۔ Centaurus A: یہ بھی Super Massive ہے اور ایک سے ڈیڑھ کروڑ نوری برس دور ایک کہکشاں کے وسط میں ہے۔کمیت ساڑھے پانچ کروڑ سورج کے برابر مانی جاتی ہے۔

ایک گروہ کا کہنا ہے، بلیک ہولز اصل میں کہکشاؤں کو کنٹرول کرتے ہیں لہٰذا کہکشاؤں کا ارتقا سمجھنے کے لئے بلیک ہولز کو سمجھنا ضروری ہے۔ بہتر طریقہ براہ راست اور قریب جا کر مطالعہ کرنا ہے اور ایسا کوئی سفر جو قریبی جائزہ لے سکے، ممکن نہیں۔

بلیک ہول کسی دوسری کائنات کا دروازہ بھی ہوسکتا ہے یا ممکن ہے کہ دوسری طرف کوئی بگ بینگ شروع ہو رہا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ منہدم اور سمٹتا بلیک ہول، مادہ کو دوسری طرف وائٹ ہول (White Hole) میں پھینک رہا ہو۔ممکن ہے ہم واقعاتی افق میں ہوں یا ہوسکتا ہے کہ کسی بلیک ہول کے اندر رہ رہے ہوں۔ یہ بھی ممکنات میں سے ہے کہ ہر بلیک ہول ایک نئی کائنات کی جائے پیدائش ہو۔ اگر ایسا ہے تو ارب ہا ارب کائناتیں ہیں جو ستاروں، کہکشاؤں، سیاروں اور زندگی سے بھرپور ہیں، کیوں کہ بلیک ہولز ہر جگہ موجود ہیں۔ ان کا کردار کائنات کی تخلیق اور اس کو موجودہ شکل وصورت دینے میں جس قدر ہے، ہم اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

بہرحال بلیک ہولز کائنات کے ایسے راز سمیٹے ہوئے ہیں کہ ان کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اصل میں یہ کیا ہیں اور کس طرح ستارے ان کے اندر داخل ہوکر غائب ہوجاتے ہیں۔ سائنس اس بارے میں خاموش ہے۔ ماہرین فلکیات کہتے ہیں کہ اگر کبھی کوئی بھٹکتا ہوا بلیک ہول ہمارے نظامِ شمسی کے قریب نکل آیا تو وہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔ کسی بھی قسم کا بلیک ہول، جو ہمارے قریب سے گزر سکتا ہو، وہ نظامِ شمسی کے سارے سیارے نگل لے گا۔

مقناطیس کیا ہے ـــــ؟ مقناطیس زمین سے نکلنے والی معدنیات میں سے کالے رنگ کا پتھر ہے جسے لوڈ اسٹون (Lodestone) کہتے ہیں۔ اس میں الیکٹران کا بہاؤ ایک سمت میں یکساں ہونے کی وجہ سے لوہے کو چپکانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ الیکٹران کا بہاؤ مقناطیسی میدان پیدا کرتا ہے۔ اس پتھر کو لوہے کی سلاخ کے سرے پر رگڑا جائے تو سلاخ کے اندر الیکٹران کے بہاؤ کی عارضی صورت پیدا ہوگی اور وہ بھی لوہے کو چپکانے کی صلاحیت کی حامل ہوجائے گی۔

نعیم قریشی

خوش بودار درخت

بے خودی نعمت ہے اور نعمت کا شکر ضروری ہے لیکن سالک کو اس پر قناعت نہیں کرنا چاہئے بلکہ بے خودی کو مقصد حیات اور اعلیٰ مدارج حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھنا چاہئے ۔ بے خودی تو بھنگ اور افیون سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس قسم کی بے خودی محمودہ نہیں ہے بلکہ مذمومہ ہے۔

حضرت فخرالدین فخر جہاںؒ عرس کے موقع پر حضرت نصیرالدین چراغ دہلویؒ کے مزار پر حاضر تھے۔ انہوں نے صاحب مزار، حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کو دیکھا ۔ حضرت نصیرالدینؒ نے آپ کو لنگر میں سے تبرک دیا اور فرمایا: ''تم محبّ النبی ہو۔'' حضرت فخر الدین فخر جہاںؒ اس لقب سے معروف ہوئے۔

ایک روز والد صاحب کے پیر دبا رہے تھے کہ اس دوران آنکھ لگ گئی۔ خواب میں خاتم النبیین حضرت محمدؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ حضور پاکؐ تشریف لائے ہیں اور بُن کے دانے عطا فرمائے۔

بُن خوش بودار درخت کا پھل ہے۔ بیدار ہوئے تو ہاتھ میں بُن کے دانے تھے۔اس دوران والد صاحب بھی جاگ گئے اور نورِ معرفت سے بیٹے کے خواب کا علم ہوا۔تحفہ والد صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ دونوں عنایتِ رسولؐ سے لطف اندوز ہوئے۔ حضرت فخرالدینؒ نے جب یہ خواب دیکھا، اس وقت عمر سات سال تھی۔

آپ کے والد حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادیؒ سے خرقہ خلافت عطا ہوا۔ پیرومرشد کے فرمان کے مطابق رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کے لئے دکن تشریف لے گئے اور— اورنگ آباد میں قیام کیا۔ اس نسبت سے حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کہا جاتا ہے۔ حضرت فخر الدینؒ کی عمر سولہ سال تھی کہ حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کا انتقال ہوا۔ والدہ سید بیگم پاکیزہ نفس خاتون تھیں، تعلق حضرت سید محمد گیسودرازؒ کے خاندان سے تھا۔

محبّ النبی— حضرت فخرالدین فخر جہاںؒ کو سلسلہ چشتیہ نظامیہ کا مجدد بھی کہا جاتا ہے۔ سلسلہ کی ترویج کے لئے خلفا کو ملک کے دور دراز حصوں میں بھیجا، درس گاہیں اور خانقاہیں تعمیر کرائیں۔ والد کی وفات کے بعد سجادہ نشینی کے بجائے آپ نے فوج میں ملازمت اختیار کی۔ نظام الدولہ ناصر جنگ نے آپ کو سپہ سالار

مقرر کیا۔ تین سال بعد اورنگ آباد واپس آ گئے۔

آصف جاہ اول کا ایک معتبر سپہ سالار ہمت یار خان متعدد جنگوں میں ساتھی رہا، عقیدت مند تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ آپ فوج سے علیحدہ ہو جائیں۔ روایت ہے کہ ہمت یار خان سونا بنانے کا نسخہ جانتا تھا۔ سونا بنا کر وہ بڑے پیمانہ پر لنگر کا انتظام کرتا تھا۔ ایک روز کہا، میں نے آپ جیسا شریف اور امین آدمی زندگی میں نہیں دیکھا۔ مناسب ہو تو نسخہ آپ کو بتادوں۔ حضرت فخرالدینؒ کے دل میں اللہ کی محبت غالب تھی، خدمت خلق اور عبادت الٰہی کو نصب العین سمجھتے تھے لہٰذا پیشکش مسترد کر دی۔

اورنگ آباد واپس جا کر والد صاحب کے مزار پر قیام کیا۔ لوگوں میں خبر پھیلی تو فیض حاصل کرنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ آپ نے مناسب سمجھا کہ یہاں سے جہاں آباد چلے جانا چاہئے۔

احباب کے ہم راہ دوران سفر ایک مقام کو آرام کے لئے منتخب کیا۔ جہاں قیام کیا، تھوڑی دیر بعد ایک نابینا عورت آئی اور آواز دی، تم میں فخرالدین کون ہیں؟

اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور فرمایا، میں ہوں، فرمایئے! میرے لائق کیا خدمت ہے؟

نابینا خاتون نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہا، اس وقت تک ہاتھ نہیں چھوڑوں گی جب تک میری آنکھوں کو روشنی عطا نہیں ہوگی۔ فرمایا، ماں جی! میں ایک مسافر ہوں، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے کہ میں تمہاری آنکھیں روشن کرسکتا ہوں۔ خاتون نے کہا، جس نے مجھے بتایا ہے وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

آپ نے پوچھا، کس نے بتایا ہے—؟

اس نے کہا، قریب ایک مندر ہے۔ میں عرصہ دراز سے وہاں التجا کر رہی ہوں کہ دیوتا! بینائی عطا کردو۔ رات خواب میں آواز آئی— ماں جی! شفایابی کا وقت آ گیا ہے۔ یہاں فخرالدین نام کا شخص آئے گا، اس کا قیام درخت کے نیچے ہوگا۔ اس کے پاس جاؤ، مشکل حل ہوجائے گی۔ دیوتا کی ہدایت پر یہاں آئی ہوں ورنہ آپ کے نام اور مرتبہ کی مجھے کیا خبر!

حضرت فخرالدین فخر جہاںؒ نے جان لیا کہ یہ اسرار الٰہی سے ہے، دونوں ہاتھ خاتون کی آنکھوں پر رکھے اور آنکھیں روشن ہوگئیں۔ احباب کو تاکید کی کہ واقعہ سے متعلق کسی سے بات نہ کریں۔

خانقاہ میں بادشاہ، سپہ سالار، صاحب اقتدار، مشاہیر، امیر، غریب سب خدمت میں حاضر ہوتے۔ حضرت فخرالدینؒ نے حتی الامکان صاحب اختیار حضرات کے پاس جانے سے گریز کیا لیکن جو در پر آتا، احترام سے پیش آتے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب دہلی کے حالات دگرگوں، ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ حضرت فخرالدینؒ نے دیکھا کہ امرا کے آپس کے جھگڑوں سے نظام مملکت تباہ ہو رہا ہے۔ ایک دن بادشاہ شاہ عالم ثانی سے سخت الفاظ

میں کہا، سلطان وقت جب تک بذات خود امور مملکت کی طرف متوجہ نہ ہو، محنت و مشقت اختیار نہ کرے، حالات ٹھیک نہیں ہوں گے۔آپ نے لوگوں کو یک در گیر ومحکم بگیر کا درس دیا۔فرمایا،

''آدمی کا کمال یہ ہے کہ ایک راستہ کا انتخاب کرے اور اس کو تکمیل تک پہنچا دے، دوسری چیز یہ ہے کہ اس طریق میں ملاوٹ نہ کرے۔''

آخری مغل بادشاہ، بہادر شاہ ظفؔر آپ کا معتقد تھا۔ اپنے دیوان میں کئی جگہ منقبت بیان کی ہے۔

ظفؔر رکھتے نہیں مطلب جہاں کے نکتہ دانوں سے
ہمیں فخر جہاںؒ کا ایک نکتہ سو برابر ہے
ظفؔر دشوار ہے ہر چند اہل معرفت ہونا
مگر صدقہ سے فخرالدینؒ کے ہوسکتا تو سب کچھ ہے

بہادر شاہ ظفؔر اپنی شاعری کو آپ کی عنایت سمجھتا تھا۔

مرید قطب دیں ہوں، خاک پائے فخر دیںؒ ہوں میں
اگرچہ شاہ ہوں، ان کا غلام کم تریں ہوں میں
ان ہی کے فیض سے ہے نام روشن میرا عالم میں
وگرنہ یوں تو بالکل روسیہ مثل نگیں ہوں میں
نہ کعبہ سے غرض مجھ کو، نہ میخانہ سے کچھ مطلب
ہمیشہ گھستا ان کے آستانہ پر جبیں ہوں میں
مجھے تو خانقاہ و مے کدہ دونوں برابر ہیں
ولیکن یہ تمنا ہے کہ ان کا ہوں، کہیں ہوں میں
یہی عقدہ کشا میرے، یہی ہیں راہ نما میرے
سمجھتا ان کو اپنا حامی دنیا و دیں ہوں میں
بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
ولیکن اے ظفؔر ان کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

حضرت فخرالدین فخر جہاںؒ کی زندگی خلق خدا کی خدمت میں وقف تھی۔ جب بندہ کے دل میں اللہ کی محبت داخل ہوتی ہے تو وہ مخلوق کے لئے خود کو وقف کردیتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہر شے کی اصل حضور مع اللہ کا حاصل ہونا ہے۔خواہ یہ ذکر جہر سے ہو یا ذکر خفی سے، فکر سے ہو یا مراقبہ یا مرابطہ سے ہو— طریقے مختلف لیکن منزل ایک ہے۔

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ فرماتے ہیں:

''دین نے اعمال و ارکان کا جو نظام ترتیب دیا ہے۔ اس میں ظاہری اور باطنی دونوں واردات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ہر رکن اور ہر عمل کی ایک ظاہری شکل وصورت ہے اور دوسری باطنی یا معنوی کیفیت ہے، ان دونوں اجزا کا ایک ساتھ موجود ہونا ضروری ہے۔ مذہبی ارکان و فرائض کے ذریعے جس باطنی کیفیت کو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کی انتہا مرتبہ احسان (مراقبہ) ہے۔محمد الرسول اللہؐ نے باطنی کیفیت کی یاددہانی ان الفاظ میں کرائی ہے۔

''جب تم صلوٰۃ میں مشغول ہوتو یہ تصور کرو کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو یا یہ محسوس کرو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

ارکان مذہب کے باطنی وصف (تفکر) کے ذریعے

کوئی شخص بالآخر "صفتِ احسان" کو حاصل کر لیتا ہے۔ یعنی اسے ذاتِ باری تعالیٰ کا عرفان نصیب ہو جاتا ہے۔"

ایک شخص قتل کے ارادہ سے خانقاہ میں آیا۔ قریب موجود خدام نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو حضرت فخر الدینؒ نے فرمایا، اس کا ہاتھ چھوڑ دو۔ آپ نے سر زمین پر رکھ کر فرمایا، ہم حاضر ہیں۔ وہ بے حد شرمندہ ہوا۔ خانقاہ سے باہر کی طرف قدم بڑھائے اور دو آدمیوں کو لے کر واپس آیا۔ تینوں قدموں پر جھک گئے اور معافی مانگی۔

کسی کی عزتِ نفس کو مجروح نہ کرتے تھے۔ مطالعہ کا بے حد شوق تھا اور کتابیں بھی تصنیف کیں۔ کتب خانہ میں علم و فن پر ہزار ہا کتب موجود تھیں۔ کوئی صاحب آپ کے کتب خانہ سے کتابیں چرا کر لے گئے۔ کچھ دنوں بعد ایک اجنبی وہ کتابیں آپ کے پاس فروخت کرنے آیا۔ یہ نہیں پوچھا کہ کتابیں کہاں سے ملیں بلکہ پیسے دے کر خرید لیں۔

روپیہ اور نذر و نیاز تقسیم فرما دیتے۔ خانقاہ کا خاک روب پیرا، متواتر دو روز صفائی کے لئے نہیں آیا تو خیریت دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ بیمار ہے، بہ نفس نفیس عیادت کے لئے گھر تشریف لے گئے۔ پیسے دیئے اور معذرت کی کہ خبر گیری میں تاخیر ہو گئی۔

قاضی ضیا محمد سونی پتی بیمار ہو گئے۔ بیماری نے سات ماہ طوالت اختیار کی یہاں تک کہ زندگی کی امید نہ رہی۔ سوچا مرنا برحق ہے پھر کیوں نہ جان شیخ کے قدموں میں نکلے۔ خادموں سے کہا کہ مجھے مرشد کے پاس پہنچا دو۔ حضرت فخر جہاںؒ نے اس حالت میں دیکھا تو سینہ سے لگایا۔ قدرتِ الٰہی سے صحت یابی نصیب ہو گئی۔

حضرت فخر الدین جہاںؒ لوگوں کے فہم و ادراک، رجحان اور دل چسپی کے مطابق گفتگو فرماتے۔ عالم سے علم، سپاہ گر سے سپاہ گری اور مہوّس سے کیمیاگری کی نسبت۔ "مناقبِ فخریہ" کے مصنف نے اس خوبی کو اس طرح بیان کیا ہے، "ہمارے دوست ہر رنگ میں پانی کی طرح شامل ہو جاتے ہیں۔"

ایک مجلس میں فرمایا، لوگ میرے پاس مختلف خیال سے آتے ہیں۔ بعض مجھے عالم جان کر آتے ہیں، بعض صوفی خیال کرتے ہیں، کچھ کیمیاگر سمجھتے ہیں، بعض اخلاق کی وجہ سے اور بعض اعمال و اوراد کے لئے۔ پس میرا سلوک ہر ایک سے اس کے اعتقاد کے مطابق ہوتا ہے۔

ایک مولوی صاحب جن کا نام مکرم تھا، عادت تھی کہ جہاں سماع کی محفل ہوتی، اسے بند کرا دیتے اور اہلِ محفل کو تکلیف پہنچاتے لیکن سید خاندان کی محبت کو وہ جزوِ ایمان سمجھتے تھے۔ محبّ النبی حضرت فخر جہاںؒ کے سامنے ذکر ہوا تو فرمایا، میں اسے سمجھا دوں گا، وہ حقیقت میں عمدہ اور اچھا شخص ہے۔

عرس کے موقع پر محفل سماع عروج پر تھی کہ مولوی صاحب چند لوگوں کے ہم راہ آ پہنچے۔ آپ کو اطلاع دی گئی۔ مولوی صاحب قریب آئے، نگاہ کی تاثیر سے ان

کے آنسو جاری ہوگئے۔ بلند آواز میں نعرہ لگایا اور بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آیا تو اپنے فعل سے توبہ کی اور عقیدت مندوں میں شامل ہوئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ بے خودی نعمت ہے اور نعمت کا شکر ضروری ہے لیکن سالک کو اس پر قناعت نہیں کرنا چاہئے بلکہ بے خودی کو مقصد حیات اور اعلیٰ مدارج حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھنا چاہئے۔ بے خودی تو بھنگ اور افیون سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس قسم کی بے خودی محمودہ نہیں ہے بلکہ مذمومہ ہے۔ جب بے خودی حاصل ہو تو ریاضت و مجاہدہ میں زیادہ مصروف ہونا چاہئے۔ مولوی صاحب پر نگاہ کی تاثیر کا اثر قائم رہا۔ جب کبھی راستہ میں آپ سے سامنا ہوتا تو وجد میں نعرہ لگاتے۔

چند افراد نے اجمیر شریف میں حضرت خواجہ بزرگؒ کے عرس کے موقع پر حضرت فخر الدینؒ کو مزار مبارک پر عبادت کرتے دیکھا۔ جب یہ لوگ دہلی پہنچے اور آپ کی خدمت میں حاضری دی تو عرض کیا،

حضرت! ہم نے آپ کو اجمیر شریف میں مزار مبارک پر عبادت میں مشغول دیکھا تھا۔ آپ نے یہ کہہ کر ان کی تسلی کرائی کہ تمہارا واہم ہے۔

معتقدین کو ''پاس انفاس'' اور ذکر جلی و خفی کی تلقین کے ساتھ پابندی سے صلوٰۃ قائم کرنے، درود شریف کے ورد اور قرآن کریم میں تفکر کی ہدایت فرماتے۔ ذکر و فکر کے ساتھ محاسبہ کی تاکید کرتے۔

اورنگ آباد میں قیام کے دوران استدراجی علوم رکھنے والے ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ وہ سفلی عمل سے اپنے مقاصد پورے کرتا۔ آپ کو پیشکش کی کہ میں نے یہ علم بہت محنت سے حاصل کیا ہے، سیکھنا چاہو تو میرے مکان پر آجانا۔ تمہیں موکلوں سے متعارف کرادوں گا۔ آپ نے فرمایا، قرآن کریم میں تسخیر کائنات کے علوم موجود ہیں، تمہارے علم کی مجھے ضرورت نہیں۔

محبّ النبی — حضرت فخر الدین فخر جہاںؒ نے 27 جمادی الثانی 1199ھ کو وصال فرمایا۔ جب کہ پیدائش کا سن 1126ھ بمقام اورنگ آباد ہے۔

حضرت فخر الدین فخر جہاںؒ کے اقوال

★ تحمل سے کام لو۔ کوئی جفا کرے تو معاف کردو۔

★ جس نے جو پایا، خدمت سے پایا۔

★ بھوکے کو کھانا کھلانا، ضرورت مند کی مدد کرنا اور دشمن کے ساتھ نیک سلوک نفس کی زینت ہے۔

★ جس کے تصور میں مروگے اسی کے ساتھ حشر ہوگا۔

★ اولیا کی محفل میں جہاں جگہ ملے، بیٹھ جاؤ۔

★ طلب دنیا میں خیر کی طلب — طلب آخرت ہے۔

★ جس دل میں محبت ہو، وہاں عداوت نہیں ہوتی۔

★ تسلیم و رضا یہ ہے کہ شر کو بھی خیر سمجھے۔ تکلیف بھی عاشق و معشوق کا راز و نیاز ہے۔

PRIME PACK INDUSTRIES

Manufacturer of
Liner & Floating Paper

C-21, S.I.T.E
Hyderabad
Tel: 022-3880627
Fax: 022-3880381

عائشہ خان

مرشد کی باتیں

موبائل فون تم ہو اور پنسل کیس، دنیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان فاصلہ ہے۔ فاصلہ مقداریں ہیں جس نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھا ہے۔ فاصلہ رہنا ضروری ہے۔ جب موبائل فون یعنی تم دنیا کی طرف جاؤ گے تو کیا ہوگا—؟

قرآن کریم پڑھتے ہوئے دعا کا ذکر آتا ہے تو لاشعور کی ہدایت کے مطابق وہ دعاؤں کو ترجمہ کے ساتھ یاد کرلیتا ہے اور وقتاً فوقتاً دہراتا ہے۔ اس جانب اس وقت متوجہ ہوا جب خواب میں سورۃ البقرۃ کی آخری آیت کے کثرت سے ورد کی ہدایت ملی۔ صبح اٹھ کر سب سے پہلے ترجمہ کے ساتھ آیت یاد کی اور اٹھتے بیٹھتے لیٹے ورد کیا۔ عمل کرنے سے حکمت واضح ہوئی۔

مرشد کریم فرماتے ہیں کہ اللہ معافی مانگنے اور معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں عذاب کا ذکر ہے، اس کے ساتھ اللہ کی رحمت کا بھی تذکرہ ہے۔ غفور الرحیم ہستی کے حضور عجز اور بے مائیگی کے اعتراف سے محاسبہ کی مشق ہوتی ہے۔ اندر کی آواز سننا، اندر میں فریکوئنسی سے ہم آہنگ ہونا ہے۔

تفکر نے بند ذہن کھولا اور بتایا کہ اللہ کا بندہ بننا ہے تو وہ دعائیں مانگو جو قرآن میں ہیں نہ کہ وہ جو تم مانگتے ہو۔ کثیف آدمی کثافت اور لطیف—لطافت مانگتا ہے۔

ایک روز مرشد کریم نے فرمایا، دعا میں مادی وسائل مانگے جاتے ہیں لیکن روحانی وسائل کی طرف ذہن نہیں جاتا۔ بنیادی ضروریات ہر فرد کی پوری ہوتی ہیں اور روحانی وسائل کو استعمال کرنے کے لئے جو ذہن چاہیئے وہ بھی موجود ہے البتہ — مغلوب ہے۔ سرسری طور پر پڑھنے یا معنی ومفہوم کے بغیر یاد کرنے کے بجائے باریک بینی سے غور کرو تو الہامی کلمات میں روشنی دیکھو گے۔

قرآن کریم میں یک سوئی سے فکر میں گہرائی پیدا ہوئی اور ادراک ہوا کہ ان دعاؤں میں طرز فکر کی درستی کی نشان دہی ہے تاکہ شیطان الرجیم سے متاثر ذہن مغلوب اور علم الاسماء سے واقف ذہن غالب ہوجائے۔

اللہ کی صفات سے واقف ذہن جنت میں بغاوت کی وجہ سے مغلوب ہوا۔ اس لئے جب بغاوت پیدا ہوتی ہے تو اللہ رب العالمین کی مہربانی سے لاشعور

قرآنی دعاؤں کی طرف متوجہ کرتا ہے۔راست طرزِفکر کے حصول اور گناہوں سے بخشش کی دعائیں یاد کیں۔ آیات کا ورد کیا کہ نہیں معلوم ایسی غلطیاں کی ہوں گی جن کا احساس نہیں ہوا۔استغفار کی تسبیح سے ذہن اور الفاظ میں ہم آہنگی ہوئی تو ایک ایک لفظ پر جھماکا ہوا۔محسوس کیا کہ لفظ وجود ہیں، وجود میں حیات ہے اور حیات عرفان کی دعوت دے رہی ہے۔

اس نے سوچا کہ تسبیح کیا ہے؟ خیال نے کہا، درجنوں دانے لڑی میں پرونے سے تسبیح بن جاتی ہے۔غور سے دیکھو! تسبیح میں دانہ ایک ہے اور—ایک ہی دانہ کی تکرار ہے۔شے کو مظاہرہ کے لئے درکار توانائی کسی کے ایک حکم سے پوری ہو جاتی ہے اور کسی کو سو یا سوا لاکھ بار دہرانا پڑتا ہے تاکہ تعطل کے باوجود—تعطل نہ ہو۔

پوچھا، تعطل کے باوجود تعطل نہ ہونا—؟

خیال نے کہا، تسبیح میں سو دانے ہوتے ہیں۔ ننانوے دانے—ایک دانہ کی ننانوے تصویریں ہیں۔ ہر دانہ کی شکل دوسرے دانہ جیسی ہے لیکن درمیان میں اسپیس ہے اس لئے ہم ایک دانہ کو سو مرتبہ دیکھتے ہیں تب جا کر سو دانے کی تسبیح پوری ہوتی ہے۔

یعنی ایک تسبیح کی توانائی کو پورا کرنے کے لئے سو وقفوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ایک شے کے درمیان سو وقفے آجائیں تو رفتار کم ہو جائے گی۔یہ باتیں نظر انداز کرنے کی نہیں ہیں مگر ہم غور نہیں کرتے—جو ہستی ان قوانین سے واقف ہے اسے تلاش نہیں کرتے۔

اس بات کو سمجھانے کے لئے مرشد کریم نے ریل گاڑی اور تیز گام کی مثال دی اور فرمایا، ریل گاڑی ہر اسٹیشن پر ٹھہرتی ہے جب کہ تیز گام کم سے کم اسٹیشنوں پر رکتی ہے—رفتار کا عالم دونوں میں مضمر ہے۔

تعطل—فاصلہ ہے۔تعطل کے باوجود تعطل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسپیس حذف ہو کر رفتار بڑھ جائے۔تسبیح — تکرار ہے۔تکرار کا ایک رخ شک اور دوسرا یقین ہے۔

سوچا کہ تکرار تو ارادہ کو مضبوط کرنے کے لئے کی جاتی ہے پھر اس کا ایک رخ شک کیسے ہو گیا۔

صاحبِ حق الیقین سے پوچھا کہ تکرار کا مطلب کیا ہے—؟ فرمایا، تکرار کا مطلب ہے کہ ذہن پُر یقین یا اس میں شک ہے۔اگر تکرار اللہ کے لئے ہوگی تو پھر قانون بدل جائے گا اس لئے کہ اللہ مقداروں سے ماوراء ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے، ذٰلک الکتاب—یہ کتاب، لاریب—اس میں شک نہیں۔

بات الہامی کلمات میں موجود توانائی کے مظاہرہ سے شروع ہوئی تھی کہ جب وہ استغفار کی آیتیں دہراتا، ہر لفظ پر ذہن میں جھماکا ہوتا۔سب حفظ دعائیں لکھی نہیں جا سکتیں لہٰذا تین آیات کے تراجم درج ذیل ہیں۔

''اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان کر۔ہمیں ثابت قدم رکھ۔انکار کرنے والوں پر ہمیں فتح دے۔''

(البقرۃ: ۲۵۰)

”اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، ہمارے اعمال میں اسراف سے بھی۔ ہمیں ثابت قدم رکھ اور انکار کرنے والوں پر فتح دے۔“ (آل عمران: ۱۴۷)

”اے ہمارے رب ! ہمارے دلوں کو مت پھیر ہدایت دینے کے بعد اور ہمیں اپنی رحمت کے خزانوں میں سے عطا کر۔ بلاشبہ آپ ہی عطا کرنے والے ہیں۔“ (آل عمران: ۸)

تینوں دعاؤں کا مختصر مفہوم یہ ہے:

صبر سے حق الیقین عطا ہوتا ہے اور حق الیقین کا فیضان معرفت ہے۔ غلطی اور کوتاہی اس وقت ہوتی ہے جب نظر کے سامنے موجود شے نظر انداز ہو — محفوظ رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ غیب ظاہر ہو جائے۔ اعمال میں اسراف کا مفہوم یہ سمجھ میں آیا کہ جس کام کے لئے جو مقدار معین ہے، آدمی اس سے واقف ہو۔ اطلاع کی مقداریں معین ہیں لیکن معنی پہنانے سے تغیر پیدا ہوتا ہے، یہ حد سے تجاوز یا بے اعتدالی ہے۔

مثلاً ایک آدمی نوکری پر جاتا ہے اور جو وقت وہاں دیتا ہے اس کے پیسے لیتا ہے۔ ایمان داری کا تقاضا ہے کہ کام میں صرف کام پر دھیان ہو۔ ادھر ادھر کے خیالات، کام میں تغیر ہیں اور تغیر، اسراف ہے۔

اسی طرح جن و انس کو اللہ نے بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ کوئی بھی کام کرتے ہوئے ذہن اللہ سے ہٹ جائے تو یہ اپنے ساتھ زیادتی ہے اور زیادتی اسراف ہے۔ کام اللہ نے دیا، کام کے لئے توانائی اللہ نے دی، ذہن و دل اللہ کا عطا کردہ ہے — آدمی سارے کام کرتا ہے اور خالق و مالک کو بھول جاتا ہے۔

تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اللہ کو ہر وقت یاد یا ساتھ محسوس کرنے سے ذہن کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ ہر شے کی مقدار ہے اور بندگی کی مقدار وصال ہے۔

---

9 مئی 2016ء کی بات ہے، مرشد کریم کے پاس بیٹھا تھا۔ کام مکمل کر کے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلی بات یہ فرمائی — دنیا ایسی چیز ہے کہ آدمی جب اس کے پیچھے جاتا ہے تو یہ اس سے بھاگتی ہے۔ اور آدمی اس سے بھاگے تو یہ اس کے پیچھے آتی ہے۔ انہوں نے اس کا موبائل فون اور پنسل کیس اٹھا کر اپنے سامنے مناسب فاصلہ سے رکھے اور فرمایا —

یہ موبائل فون تم ہو اور پنسل کیس، دنیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان فاصلہ ہے۔ فاصلہ مقداریں ہیں جس نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھا ہے۔ فاصلہ رہنا ضروری ہے۔ جب موبائل فون یعنی تم دنیا کی طرف جاؤ گے تو کیا ہوگا — ؟ دنیا تم سے دور ہو جائے گی اس لئے کہ فاصلہ برقرار رہنا ضروری ہے ورنہ دونوں ایک دوسرے میں جذب ہو جائیں گے۔ جتنا دنیا کی طرف جاؤ گے، دنیا تم سے دور ہوتی جائے گی لیکن ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم دنیا میں داخل ہو جاؤ گے۔ اس کو صم بکم کہتے ہیں۔ اسی طرح جب تم

دنیا سے دور جاؤ گے، اب دنیا تمہارے پیچھے آئے گی کیوں کہ فاصلہ برقرار رہنا ضروری ہے۔ ذہن میں دنیا کی اہمیت نہیں ہونی چاہئے ۔ چاہے پیسے جمع کرنے ہوں، روپیہ سونا چاندی ہو یا دوسرے معاملات — کسی چیز کی اہمیت نہ ہو۔

مرشد کریم نے فرمایا، جو میں نے سمجھایا ہے موبائل فون اور پنسل کیس کو سامنے رکھ کر اس پر غور کرو!

راستہ دین کا ہو یا دنیا کا، تکمیل کا تعلق فرماں برداری سے ہے۔ قرآن کی دعاؤں میں ''فتح'' کے الفاظ ہیں اور فتح فرماں برداری سے نصیب ہوتی ہے۔ فتح کا مطلب ذہن کا کھلنا یا مشاہدہ ہونا ہے۔ فتح کی تعریف و تفصیل سورۃ الفاتحہ ہے۔ ہر اطلاع ہدایت ہے۔ دیکھنے کا زاویہ اللہ کے حکم کے خلاف ہو تو نگاہ فکشن دیکھتی ہے، صرف دل کا دیکھنا برحق ہے۔ اس لئے ہر لمحہ یہ دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ ہمیں اپنی رحمت میں رکھ۔

ایک بات کو سمجھنے کے لئے خیال کہاں سے کہاں لے جاتا ہے۔ لکھنے کو تو آدمی ہر خیال لکھ لے لیکن ہر خیال لکھا نہیں جاسکتا۔ شعور محدود ہے مگر اللہ بہت مہربان ہے۔ ''مثالوں'' سے سمجھاتا ہے تاکہ غور و فکر کرنے والے کے لئے منزل آسان ہوجائے۔

لاشعور نے لفظ مثال کی طرف متوجہ کیا اور مثال سے سورۃ النور کی آیت ذہن میں آئی۔ سورۃ النور میں اللہ نے کائنات کی ساخت مثالوں سے سمجھائی ہے۔

گدازِ دل سے باطن کا تجلی زار ہوجانا
محبت اصل میں ہے روح کا بیدار ہوجانا

نوید عیش سے اے دل ذرا ہشیار ہوجانا
کسی تازہ مصیبت کے لئے تیار ہوجانا

وہ ان کے دل میں شوقِ خود نمائی کا خیال آنا
وہ ہر شے کا تبسم کے لئے تیار ہوجانا

مزاجِ حسن کو اب بھی نہ سمجھو تو قیامت ہے
ہمارا اور وفا کے نام سے بے زار ہوجانا

سحر کا اس طرح انگڑائی لینا دل فریبی سے
ادھر شاعر کے محسوسات کا بیدار ہوجانا

توسل سے ترے دل میں بھروں گا قوتیں برقی
ذرا میری طرف بھی اے نگاہ یار ہوجانا

وہ آرائش میں سب قوت کسی کا صرف کردینا
تحمل میں وہ ہر کوشش مری بے کار ہوجانا

رگوں سے خون سارا زہر بن کر پھوٹ نکلے گا
ذرا اے جوشؔ ضبط شوق سے ہشیار ہوجانا

گدازِ دل سے باطن کا تجلی زار ہوجانا
محبت اصل میں ہے روح کا بیدار ہوجانا

(کلام: جوشؔ ملیح آبادی)

حضرت یوشع علیہ السلام

لکڑی کا ہتھوڑا گھنٹے پر پڑتا ہے تو گھنٹے میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ یہ ارتعاش گھنٹے کے پاس والی ہوا میں ایک دباؤ کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ ارتعاش کے کم زیادہ ہونے سے ہوا کا دباؤ بھی کم زیادہ ہوتا ہے یا ہوا میں لہریں پیدا ہوتی ہیں جیسے کہ تالاب میں کنکر مارنے سے پانی میں لہریں پیدا ہوتی ہیں۔

قرآن کریم میں حضرت یوشعؑ کا نام مذکور نہیں ہے البتہ قرآن کریم میں دو جگہ حضرت موسیٰؑ کے ایک نوجوان رفیقِ سفر کا تذکرہ موجود ہے۔ حدیث شریف کے مطابق اس نوجوان رفیقِ سفر کا نام ''یوشع'' ہے۔ اہل کتاب کا ان کے نبی ہونے پر اتفاق ہے، حضرت یوشعؑ حضرت یوسفؑ کی نسل میں سے تھے، قبیلہ کے سردار تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی زندگی میں اہم ترین خدمات ان کے سپرد کردی تھیں۔ کنعان میں ظلم وستم روا رکھنے والے جابر، سفاک اور مشرک اقوام کے حالات معلوم کرنے کے لئے حضرت موسیٰؑ نے اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے سرداروں کو بھیجا تو حضرت یوشعؑ اور ان کے ساتھی حضرت کالب اس وفد کے رکن تھے اور جب حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو مشرکوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا تو بنی اسرائیل نے خوف زدہ ہوکر انکار کردیا۔ حضرت یوشعؑ نے اس وقت بنی اسرائیل کو ہمت دلائی اور جرأت و جواں مردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جہاد کی تلقین کی۔

''کہا دو مردوں نے ڈرنے والوں میں سے، خدا کی نوازش تھی ان دو پر، داخل ہوجاؤ ان پر حملہ کرکے دروازہ میں اور جب تم اس میں داخل ہوگے تو تم غالب اور فتح مند ہوگے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر یقین رکھتے ہو۔'' (المآئدۃ:۲۳)

حضرت موسیٰؑ حضرت خضرؑ سے ملاقات کے لئے جب مجمع البحرین تشریف لے گئے تھے اس وقت بھی حضرت یوشعؑ ان کے ساتھ تھے۔ قرآن حکیم میں اس سفر کا احوال تفصیلاً بیان ہوا ہے۔

''اور جب کہا موسیٰؑ نے اپنے جوان کو میں نہ ہٹوں گا جب تک نہ پہنچوں دو دریا کے ملاپ تک، یا چلتا جاؤں قرنوں، پھر جب پہنچے دونوں دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی مچھلی پھر اس نے اپنی راہ لی دریا میں سرنگ بنا کر پھر جب آگے چلے کہا، موسیٰؑ نے اپنے

جوان کو، لا ہمارے پاس ہمارا کھانا، ہم نے پائی ہے اپنے اس سفر میں تکلیف۔ بولا، وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر کے پاس، سو میں بھول گیا مچھلی اور مجھ کو بھلایا شیطان ہی نے کہ اس کا ذکر ہو اور وہ کر گئی اپنی راہ دریا میں، عجب طرح۔ کہا، یہی ہے جو ہم چاہتے تھے، پھر وہ الٹے پھرے اپنے پیر پہچانتے، پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں سے جس کو ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور سکھایا تھا اپنے پاس سے ایک علم، علم لدنی۔'' (الکھف: ۶۰-۶۵)

حضرت موسیٰؑ کے بعد ہدایت اور راہ نمائی کے لئے حضرت یوشعؑ کا انتخاب حضرت موسیٰؑ کی حیات ہی میں ہو گیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کو حضرت یوشعؑ کی نبوت کی بشارت دے دی گئی تھی۔ توریت میں ہے:

''خداوند نے موسیٰؑ سے کہا! یوشعؑ پر اپنا ہاتھ رکھ کیوں کہ اس شخص میں روح ہے اور الیعزر کاہن (حضرت ہارونؑ کے فرزند) اور ساری جماعت کے آگے کھڑا کر کے ان کی آنکھوں کے سامنے اسے وصیت کر اور اپنے رعب داب سے اسے بہرہ ور کر دے تاکہ بنی اسرائیل کی ساری جماعت اس کی فرماں برداری کرے۔'' (گنتی: باب ۲۷: ۱۹-۲۰)

جب بنی اسرائیل سینا کے بیابان میں مقیم تھے اور عمالقہ کے طاقت ور اور زور آور لوگوں سے پہلی بار مقابلہ ہوا تو حضرت موسیٰؑ نے آپ ہی کو بنی اسرائیل کا سردار اور سپہ سالار مقرر کر کے بھیجا اور خود حضرت ہارونؑ کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر اپنا عصا ہاتھ میں اٹھا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اس جنگ میں حضرت یوشعؑ نے عمالقہ کو شکست سے دوچار کر دیا۔ وفات سے کچھ عرصہ پیش تر حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ حضرت یوشعؑ کے ہم راہ خیمہ اجتماع میں آجائیں۔

اس وقت تجلی الٰہی نمودار ہوئی اور بنی اسرائیل کے مستقبل کی پیشین گوئی کی گئی اور تعلیمات موسویؑ کی آخری ہدایات دی گئیں۔ تورات کے مطابق ہدایت کے آخر میں حضرت یوشعؑ سے براہ راست خطاب ہوا:

''نون کے بیٹے یوشعؑ کو ہدایت کی اور کہا تو مضبوط ہو جا اور حوصلہ رکھ کیوں کہ تو بنی اسرائیل کو اس ملک میں لے جائے گا جس کی قسم میں نے ان سے کھائی تھی اور میں تیرے ساتھ رہوں گا۔'' (استثناء: باب ۳۱: ۲۹)

یہ وہ دور تھا جب مشرک، ظالم اور سفاک قومیں ارض مقدس کو پامال کرتی رہتی تھیں۔ اب بنی اسرائیل کی سزا کی مدت گزر چکی تھی۔ مشیت الٰہی تھی کہ بنی اسرائیل کی جلا وطنی ختم کر کے ارض مقدس میں انہیں داخل کر دیا جائے۔ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کا لشکر تیار کیا مگر جنگ سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا، حضرت یوشعؑ پر وحی نازل ہوئی۔

''میرا بندہ موسیٰؑ مر گیا، سو اب تو اٹھ اور ان سب لوگوں کو ساتھ لے کر یردن کے پار اس ملک میں جا جسے بنی اسرائیل کو دیتا ہوں۔'' (کتاب یشوع: باب ۱: ۲)

حضرت یوشعؑ نے بنی اسرائیل کو خدا کا پیغام سنایا اور

بنی اسرائیل کا لشکر سینا سے نکل کر ارض مقدس کی طرف بڑھا۔ کنعان اور بیت المقدس فتح کرلیا۔ ''عہد کا صندوق'' تابوت سکینہ اس جنگ میں بنی اسرائیل کے ساتھ تھا۔

''اور کہا ان کو ان کے نبی نے، نشان اس کی سلطنت کا یہ ہے کہ آوے تم کو صندوق جس میں ہے دل جمعی تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی چیزیں جو چھوڑ گئے موسیٰؑ اور ہارونؑ کی اولاد، اٹھا لاویں اس کو فرشتے، اس میں نشانی پوری ہے تم کو، اگر یقین رکھتے ہو۔'' (البقرہ:۲۴۸)

یہ صندوق کیکر کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس کی لمبائی ڈھائی ہاتھ اور چوڑائی اور اونچائی ڈیڑھ ڈیڑھ ہاتھ تھی۔ اس کے اندر اور باہر سونے کے پترے لگے ہوئے تھے اور صندوق اٹھانے کے لئے سونے کے چار کنڈے لگے ہوئے تھے۔ صندوق میں زریں جزدان میں لپٹی ہوئی تورات رکھی ہوئی تھی۔ بنی اسرائیل پر جب من و سلویٰ نازل ہوا تو حضرت موسیٰؑ نے یادگار کے لئے ایک مرتبان میں من بھروا کر اس صندوق میں رکھوا دیا تھا۔

حضرت ہارونؑ کی وفات کے بعد ان کا پیرہن اور حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد ان کا عصا اور چند دوسرے تبرکات اس صندوق میں رکھ دیئے گئے تھے۔

حضرت یوشعؑ کو حکم ہوا کہ سات دن تک اس عہد کے صندوق کے ساتھ فصیل کے گرد روزانہ چکر لگائیں اور گشت کے دوران مینڈھے کے سینگوں کے سات نرسنگھے بجائے جائیں۔ ساتویں روز جب گشت مکمل ہونے پر نرسنگھے بجائے گئے اور لشکر نے بآواز بلند نعرہ لگایا تو فصیل گر گئی اور لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔

فتح سے قبل بنی اسرائیل کو ہدایت کی گئی تھی کہ شہر میں توبہ استغفار کرتے ہوئے داخل ہوں مگر انہوں نے روگردانی کی اور فاتحانہ نعرے اور متکبرانہ آوازیں نکالتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون نے انہیں پکڑ لیا اور عذاب نازل ہوا۔

''اور جب انہیں حکم ہوا کہ بسو اس شہر میں اور کھاؤ اس میں جہاں سے چاہو اور کہا کہ ہم گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے تو بخشیں ہم تمہاری تقصیریں آگے اور بہت دیں گے نیکی والوں کو۔ سو بدل لیا بے انصافوں نے ان میں سے اور لفظ سوا اس کے جو کہہ دیا تھا پھر بھیجا ہم نے ان پر عذاب آسمانوں سے بدلہ ان کے ظلم کا۔''

(الاعراف:۱۶۱-۱۶۲)

بنی اسرائیل مسلسل فتوحات حاصل کرتے ہوئے جب جبعون کی ریاست میں داخل ہوئے تو یروشلم کے حکمران نے چار دوسری ریاستوں کے ساتھ مل کر متحدہ فوج تشکیل دی اور جبعون کا محاصرہ کرلیا تاکہ بنی اسرائیل کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کا قلع قمع کیا جاسکے۔ شدید خون ریزی کے بعد متحدہ فوج کو شکست ہوئی، شکست خوردہ فوج جب میدان چھوڑ کر بھاگی تو آسمان سے اولوں اور پتھروں کی بارش ہوئی جس سے باقی ماندہ فوج بھی ہلاک ہوگئی۔ حضرت یوشعؑ نے فرمایا:

''اے سورج! تو جبعون پر، اور اے چاند! وادی

ایالون میں جا ٹھہر اور سورج ٹھہر گیا اور چاند تھم گیا یہاں تک کہ انتقام پورا ہو گیا۔''

(کتاب یشوع: باب ۱۰: ۱۳)

کفر و الحاد کی فوجوں سے برسر پیکار رہتے ہوئے حضرت یوشعؑ نے اکتیس (31) حکم رانوں کو شکست دی۔ حکم الٰہی کے تحت حضرت یوشعؑ نے بنی اسرائیل کے قبائل میں فلسطین کی علاقائی تقسیم کی اور انتظامی امور کے لئے ہزار ہزار پر سو اور دس دس پر ایک ایک سردار اور منصب دار مقرر کیا اور بنی اسرائیل کے مقدمات کے فیصلوں اور اختلافات کے حل کے لئے قاضیوں کو مقرر کیا۔

وفات سے قبل آپ نے سکم (Schechem) کے مقام پر بنی اسرائیل کو جمع کیا اور آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: ''قدیم ایام میں تمہارے آباؤ اجداد حضرت ابراہیمؑ، ناحور اور تارخ دریائے فرات کے پار اکادیوں کے دور میں دور دراز ملک میں رہتے تھے جہاں شرک اور بت پرستی عام تھی، اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کی راہ بری کی، ان کو کنعان کے ملک میں لایا اور ان کی نسل پھلی پھولی۔ پھر جب بنی اسرائیل مصر میں غلامی کی ذلت آمیز زندگی بسر کر رہے تھے تو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ مبعوث ہوئے اور تمہیں غلامی سے نجات ملی، فلسطین کے حکم رانوں سے تمہارا مقابلہ ہوا اور اللہ نے تمہیں طاقت ور قوموں پر فتح عنایت کی اور وہ ملک جس پر تم نے محنت نہیں کی، وہ شہر جن کو تم نے بنایا نہیں تم کو عنایت کئے، تم ان میں بستے ہو اور ان کے باغوں کے پھل کھاتے ہو جن کو تم نے نہیں لگایا۔ پس اب تم نیک نیتی اور صداقت سے اللہ کی پرستش کرو اور ان باطل دیوتاؤں کو رد کر دو جن کی پرستش تمہارے باپ دادا دریا کے پار اور مصر میں کرتے تھے اور اپنے دلوں کو پیغمبرانہ طرز فکر کے مطابق اللہ کی عبادت میں مشغول رکھو۔''

لوگوں نے حضرت یوشعؑ سے اللہ وحدہ لاشریک کی پرستش کا وعدہ کیا اور حضرت یوشعؑ نے ان کے لئے سکم میں آئین اور قانون بنایا۔ حضرت یوشعؑ ایک سو دس برس اس دنیا میں رہے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

الٰہی حکم کے مطابق جب حضرت یوشعؑ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ چھ دن تک عہد کے صندوق کے ساتھ فصیل کے گرد چکر لگائے اور مینڈھے کے سینگ کے نرسنگھے بجائے اور لشکر نے بلند آواز سے نعرہ لگایا تو فصیل گر گئی۔ عہد کے صندوق میں جز دان میں تورات رکھی ہوئی تھی، ایک مرتبان میں من بھرا ہوا تھا، حضرت ہارونؑ کا کرتا اور حضرت موسیٰؑ کا عصا رکھا ہوا تھا۔ عہد قدیم سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ بزرگوں کا لباس، بزرگوں کی چیزیں، لاٹھی، عصا، جانماز اور ٹوپی وغیرہ گھروں میں محفوظ کر لیتے تھے تاکہ ان چیزوں کی برکت حاصل ہوتی رہے کیوں کہ یہ چیزیں ان کے استعمال میں رہ چکی ہیں۔ ان قدسی نفس حضرات کے نسمہ کی روشنیاں بھی ان کے اندر جذب ہوتی ہیں جب

ان چیزوں پر ذہن مرکوز کیا جاتا ہے تو ذہن میں ان کا تاثر قائم ہوتا ہے اور اس تاثر کی وجہ سے دماغ میں یقین کا پیٹرن بن جاتا ہے۔

اسکول کی گھنٹی بجتی ہے اور اس آواز کو سن کر بچے اسمبلی کی طرف چل پڑتے ہیں۔ پیتل کے گھنٹے پر لکڑی کا ہتھوڑا مارنے سے آواز پیدا ہوتی ہے، جب لکڑی کا ہتھوڑا گھنٹے پر پڑتا ہے تو گھنٹے میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ یہ ارتعاش گھنٹے کے پاس والی ہوا میں ایک دباؤ کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ ارتعاش کے کم زیادہ ہونے سے ہوا کا دباؤ بھی کم زیادہ ہوتا ہے یا ہوا میں لہریں پیدا ہوتی ہیں جیسے کہ تالاب میں کنکر مارنے سے پانی میں لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ ہوا کے دباؤ کی لہریں جب ہمارے کان کے پردہ سے ٹکراتی ہیں تو اس میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے جس کو ہم سنتے ہیں۔ آوازیں کئی قسم کی ہوتی ہیں مثلاً میوزک انسان میں سرور کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے، شور کی آوازیں کدورت اور ناپسندیدگی کا احساس پیدا کرتی ہیں، ہم بات کرتے ہیں تو وہ بھی بامعنی کیفیت رکھتی ہے اور ہم مخاطب کا مدعا سمجھ سکتے ہیں۔ آواز یا ارتعاش مختلف فریکوئنسیوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔

آج کل آواز کی لہروں سے مختلف قسم کے کام لیے جارہے ہیں۔ جیسے پہلے X -Rays کے ذریعے انسانی جسم میں مختلف قسم کی بیماریوں کا کھوج لگایا جاتا تھا اب چوں کہ یہ معلوم ہوگیا ہے کہ X - Rays ہمارے لئے نقصان دہ ہیں اس لئے اب وہی کام الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ حاملہ عورتوں کے رحم میں بچوں کی نشوونما کا اندازہ بھی الٹرا ساؤنڈ سے ہی لگایا جاتا ہے۔ الٹرا ساؤنڈ سے اب آپریشن بھی ہونے لگے ہیں، جیسے موتیا کا آپریشن، گردوں میں پتھری کو توڑنے کے لئے بھی الٹرا ساؤنڈ کو استعمال کیا جارہا ہے۔ لیزر شعاعوں سے بہت سے آپریشن بھی کئے جاتے ہیں۔ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے کھیتوں میں سے پرندوں کو دور بھگایا جاسکتا ہے، غلہ کے گوداموں میں سے چوہوں کو بھگایا جاسکتا ہے۔ بازار میں ایسے آلات بھی دستیاب ہیں جو مچھروں کو بھگا دیتے ہیں۔

عام حالات میں آواز بہت دور تک سفر نہیں کرسکتی ہے، اس لئے اس کو دور تک پہنچانے کے لئے ٹیلی فون، ریڈیو، ٹی وی اور اس قسم کے دوسرے آلات استعمال کئے جاتے ہیں۔ اب تو آواز کو ریکارڈ کرنے کا بھی بندوبست ہوگیا ہے۔ آپ جہاں کہیں بھی ہوں اپنی آواز کو ریکارڈ کرکے کسی عزیز کو پیغام پہنچا سکتے ہیں، دنیا بھر میں ایسی آبزرویٹریاں قائم ہوچکی ہیں جو دور دراز کہکشاؤں میں ہونے والے دھماکوں کو سن سکتی ہیں، نئے ستاروں کو وجود میں آتے ہوئے دیکھ سکتی ہیں یا ستاروں کی تباہی کا مشاہدہ کرسکتی ہیں۔

سائنس دانوں نے ایسے تجربات بھی کئے ہیں جن سے پتہ چلا ہے کہ بعض قسم کی موسیقی سے گائیں زیادہ

دودھ دینے لگتی ہیں، فصلیں بہتر ہوجاتی ہیں۔ بعض تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ درخت بھی موسیقی کو پسند اور ناپسند کرتے ہیں، مچھلی کا شکار کرنے میں الٹرا ساؤنڈ لہروں کا استعمال کیا جارہا ہے، زیرِ زمین تیل کی تلاش کے لئے بھی الٹرا ساؤنڈ استعمال کیا جاتا ہے، اس کے لئے زمین کی سطح پر ایک جگہ دھما کا کیا جاتا ہے اور مختلف آلات لگا کر اس کی بازگشت ریکارڈ کی جاتی ہے۔ اس سے زمین کے اندر تیل کے ذخائر کے اوپر Shell کی شکل اور فاصلہ معلوم ہوجاتا ہے۔ اگر تیل کے ذخائر کے شیل کی موجودگی کا پتہ لگ جاتا ہے تو اس کے لئے Drilling کی جاتی ہے۔ سمندر کی اندرونی سطح کے نقشے بنانے، آب دوزوں کا پتہ لگانے اور مچھلیوں کی موجودگی کا پتہ چلانے کے لئے الٹرا ساؤنڈ لہروں کو استعمال کیا جارہا ہے۔ ایسے بم بنائے جارہے ہیں کہ ان سے نکلنے والی لہروں کی آواز کی شدت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اس کے آس پاس رہنے والے تمام جان دار بشمول انسان ہلاک ہوجاتے ہیں۔ توپوں کی آواز کی لہروں سے دشمن کی سمت اور فاصلہ کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایٹم بم کے دھماکے کی آواز اتنی شدید تھی کہ لاکھوں افراد ہلاک ہوگئے ، پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگئے اور پہاڑ کا کچھ حصہ دھوئیں میں تبدیل ہوگیا، عمارتیں دھماکے کی شدت سے تباہ ہوگئیں اور پل ٹوٹ گئے۔

باادب ــــ بانصیب

ایک مرید حضرت جنید بغدادیؒ سے بداعتقاد ہوا اور غلط فہمی میں پڑ گیا کہ اب میں کسی درجہ پر فائز ہوچکا ہوں۔ چند روز بعد حضرت جنیدؒ کے پاس اس غرض سے آیا کہ تجربہ کرے اور دیکھے کہ میرا حال پیرومرشد پر منکشف بھی ہوا یا نہیں۔ حضرت جنیدؒ نورِ فراست سے اس کی حالت ملاحظہ فرمارہے تھے۔ مرید آیا اور سوالات کئے۔ فرمایا، کیسا جواب چاہتا ہے، الفاظ و عبارات میں یا حقیقت کے معنی میں ــ؟ عرض کیا، دونوں میں۔ فرمایا، عبارتی جواب یہ ہے کہ اگر میرا تجربہ کرنے کے بجائے اپنا تجربہ کرلیتا تو میرے تجربہ کا محتاج نہ ہوتا اور اس غرض سے نہ آتا۔ معنی میں جواب یہ ہے کہ میں نے تجھے منصب ولایت سے معزول کیا۔ یہ فرمانا تھا کہ مرید کا چہرہ سیاہ ہوگیا۔ چیخنے لگا اور پکارا کہ راحت و یقین میرے دل سے جاتی رہی۔ توبہ کی اور گستاخی پر معافی مانگی۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا: تو نہیں جانتا کہ اللہ کے ولی والیان اسرار ہوتے ہیں، تجھ میں ان کی ضرب کی برداشت نہیں۔ پھر ایک پھونک اس پر ماری اور وہ دوبارہ اپنے درجہ پر متمکن ہوا۔ اس دن سے خاصان بارگاہ کے معاملات میں دخل دینے سے توبہ کی اور عہد کیا کہ آئندہ اہل اللہ کے متعلق دل میں میل نہیں آنے دوں گا۔

HOPE FOR INFERTILE COUPLES
AUSTRALIAN CONCEPT
INFERTILITY MEDICAL CENTER
Established Since 1998
THE LEADING IVF INSTITUTE OF PAKISTAN
CONSUMERS CHOICE AWARD 2016
Pearl Continental Hotel, Karachi
IAF
the most Precious gift life has to offer
پاکستان کا 1st ISO 9001:2015 سرٹیفائڈ IVF سینٹر، سب سے بڑے برانچ نیٹ ورک کے ساتھ
IVF خدمات میں 18 سال کا تجربہ اور کامیاب کیسز کی شرح میں مسلسل اضافہ
PGD (پری امپلانٹیشن جینیٹک ڈائیگنوسز) برائے فیملی بیلنسنگ دستیاب ہے
پاکستان کا پہلا کامیاب FET (فروزن ایمریو ٹرانسفر) پروسیجر
ورلڈ ریکارڈ، میل اِن فرٹیلیٹی کا 29 سال بعد کامیاب علاج
ورلڈ کلاس IVF لیب Primo Vision ™Time-Lapse Embryo Monitoring System کے ساتھ
ایک ہی چھت کے نیچے مکمل IVF علاج
Australian Scientists کی جانب سے غیر جانب دارطور پر کوالٹی کی ضمانت
PGD
برائے فیملی بیلنسنگ دستیاب ہے
GET A FREE Consultation
Dr. Syed Sajjad Hussain
3 time Winner of Consumers Choice Award for "Best Infertility Medical Centre" in Pakistan
We constantly strive to achieve better results. We make no compromises when it comes our patients' health and desires.
KARACHI 32-A, Block-5, Rojhan Street, Near Bilawal Chowrangi, Kehkashan, Clifton, Karachi,
LAHORE 116-A, Babar Block, Garden Town, Model Town Link Road, Lahore
ISLAMABAD 3rd Floor, Aklas Plaza, G/10 Main Markaz, Behind Babri Masjid, Sawan Road, Islamabad
HYDERABAD | LARKANA | SUKKUR | QUETTA | FAISALABAD | GUJRANWALA | MULTAN
UAN: 0304-111-2229 (BABY)
facebook.com/australianconcept web: www.acimc.org | email: info@acimc.org

Since 1990

MOTOLUX

INDUSTRIES

GLOVES ENGINEERING COMPANY.

Motolux Street,Muzzafarpur, Ugoki Road,
Sialkot-51340,Pakistan,
Tel: +92-52-3252284,Fax: +92-52-3240216
info@motolux.pk

سعید انور

انکھوا

ایک زمانہ تھا جب آدمی کچی غذا کھاتا تھا۔ ان میں ہری سبزیاں، غذائیں، پھل اور گوشت شامل تھا۔ آگ سے متعارف ہوا تو غذا آگ پر پکانی شروع کی۔ ابتدا میں مقصد غذا کو گلا کر قابل استعمال بنانا تھا تاکہ چبانے اور نگلنے میں آسانی ہو لیکن وقت گزرنے کے ساتھ غذا پکانے میں جدت آئی اور سادہ غذا کھانے والا آدمی ذائقہ کی پگ ڈنڈی پر ایسا دوڑا کہ پگ ڈنڈی بڑھتے بڑھتے فوڈ اسٹریٹ بن گئی۔

قدرتی خوراک میں جسم کی ضرورت کے مطابق غذائیت کی مقداریں معین ہیں۔ بنیادی طور پر غذا سے حاصل کی جانے والی توانائی پروٹین، کاربوہائیڈریٹ، چکنائی، وٹامن، نمکیات، بھوسا (Roughage) اور پانی کی شکل میں موجود ہوتی ہے۔

روایتی طریقہ کے مطابق جب غذا کو دیر تک پکایا جاتا ہے تو افادیت اور لذت ختم ہو جاتی ہے۔ لذت کی کمی کو پورا کرنے کے لئے ہم انواع و اقسام کے مسالوں کا سہارا لیتے ہیں جو بظاہر کھانے کی لذت کو بڑھاتے ہیں لیکن اس دوران نظام ہاضمہ متاثر ہو جاتا ہے۔ جن دو جگہوں پر سب سے زیادہ رش نظر آتا ہے وہ کھانے پینے اور علاج معالجہ کے مقامات ہیں۔ دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہم غذاؤں، مسالوں اور گھی وغیرہ کی کوالٹی کو زیر بحث نہیں لانا چاہتے کیوں کہ سب جانتے ہیں کہ ملاوٹ کا ناسور معاشرہ میں پھیل چکا ہے۔

ماہرین کی رائے ہے کہ اگر غذا کے طریقہ کار میں تبدیلی کی جائے اور اسے زیادہ سے زیادہ فطرت کے قریب لایا جائے تو جسم صحت مند و توانا رہے گا۔

قارئین! غذا کے قدرتی استعمال کا آسان طریقہ نوٹ کیجئے۔ ہر کوئی بآسانی اپنے گھر میں تیار کر کے فوائد سے مستفید ہو سکتا ہے۔

انکھوا یا Sprout Food قدرتی خوراک حاصل کرنے کا ایسا طریقہ ہے جس میں مختلف اناج کے بیجوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً چنا، گیہوں، الفالفا، مونگ پھلی، سویا بین، مکئی، تل اور دالیں وغیرہ انکھوا کی جا سکتی ہیں۔

آپ جس اناج پر انکھوا بنانے چاہیں، اتنی مقدار لیں کہ بیج پانی میں پوری طرح بھیگ جائے اور آپ ایک وقت میں کھا سکیں۔ بارہ گھنٹے بعد پانی کو پھینک دیں۔ سوتی کپڑا لیں، کپڑا سفید رنگ کا ہو تو بہتر ہے۔

کپڑے کا ایک حصہ برتن میں پھیلا دیں ،بھگوئے ہوئے بیج ڈالیں اور کپڑے کے دوسرے حصہ سے برتن کو ڈھک دیں۔ اس کے بعد پانی کا چھینٹا ماریں تاکہ کپڑا بھیگ جائے۔ پانی روزانہ چھڑکنا ہے تاکہ بیج سوکھ نہ جائے۔اس بات کا خیال رکھا جائے کہ پانی بیج کی مقدار سے بہت زیادہ نہ ہو۔ بارہ سے تیس گھنٹے کے اندر بیج پھوٹنا شروع ہوجائے گا۔اس کوانکھوا پھوٹنا یا Germination کہتے ہیں۔

انکھوا پھوٹ جائے تو خالص اور بیش بہا فوائد کی حامل غذا تیار ہے۔اسے کچا کھایا جاتا ہے۔ممکن ہے کہ کچا کھانا شروع میں لذیذ نہ ہو لیکن چند روز کے بعد Taste Buds اور ذائقہ میں مطابقت ہوجاتی ہے۔ زبان مصنوعی ذائقوں سے متاثر ہوچکی ہے اس لئے خالص چیزیں حلق سے نہیں اترتیں۔ حالاں کہ قدرت نے ہر شے میں ذائقہ رکھا ہے اور ہر شے کا ذائقہ الگ ہے۔ چوں کہ انکھوا بارہ سے تیس گھنٹوں کے دوران پھوٹنا شروع ہوتا ہے اس لئے روزانہ کی خوراک حاصل کرنے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ چار پانچ چھوٹے برتن مختص کرلیں۔ایک برتن سے انکھوا کھائیں تو دوبارہ بھگودیں۔روزتازہ انکھوا کی فصل تیار ملے گی۔

مرد،عورت ، بچے۔۔۔ہر عمر کے افراد استعمال کر سکتے ہیں ۔بچوں کو ایک چمچ کے برابر پیس کر دیں۔ یاد رہے کہ انکھوا کچا کھایا جاتا ہے، اس کو آگ پر پکانے یا

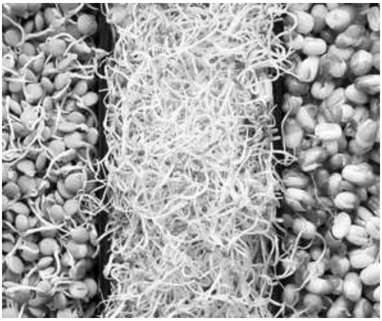

مصنوعی مسالوں کی ضرورت نہیں۔

فوائد بے شمار اور اناج کی مناسبت سے ہیں مگر کچھ چیزیں مشترک ہیں ۔ اناج کے دانے میں جب انکھوا پھوٹتا ہے تو اس کا نشاستہ گلوکوز میں اور پروٹین امائنو ایسڈ میں بدل جاتا ہے۔اس وجہ سے فوراً ہضم ہوجاتا ہے۔انکھوا کو پہلے سے ہضم شدہ خوراک (-Pre Digested) بھی کہتے ہیں۔

اسپراوٹ فوڈ کلوروفل، وٹامن اے، بی، سی، ڈی اور کے،کیلشیم، فاسفورس، پوٹاشیم ،میگنیشیم اور آئرن کا اچھا ذریعہ ہے۔انکھوا والی خوراک سے بھوک بڑھتی ہے،جسم سے زہریلے مادے خارج ہوتے ہیں۔ یہ پیشاب آور ہے۔زود ہضم ہونے کی وجہ سے جسم کو فوری طاقت فراہم ہوتی ہے۔

انکھوا غذا میں پھلوں ،سبزیوں اور میوہ جات کی تمام خصوصیات ہیں۔ اکثر خواتین توانائی کی کمی ،کم زوری ، خون کی کمی وغیرہ کا شکار رہتی ہیں۔ اسپراوٹ فوڈ ان کے لئے آسان اور نعمت سے کم نہیں۔

محمد عدنان خان

پرتیاہار

نورِ ہدایت سے معمور ایک ایسے تشنہ روح فرد کی سرگزشت جس کو حوادث نے استدراج کی سیاہ گھاٹیوں اور کالے علوم کے اندھیرے راستوں کا مسافر بنا دیا تھا۔

بابا سونیری کی تربیت سے میرا شمار بڑے جادوگروں میں ہونے لگا۔ایک روز دادا محلّہ میں ادھیڑ عمر مجذوب کا شکار ہو کر بصارت سے محروم ہوگئے اور ہمیں علاقہ چھوڑنا پڑا۔ بقول بابا سونیری تربیت کی نئی سمت کا تعین ہو چکا تھا۔ایک قدیم قبرستان کے قریب رہائش اختیار کی۔تاریک رات میں جھونپڑی میں اجنبی کی موجودگی سے خوف زدہ ہوگیا۔وہ وڈیرا دھاندل سے انتقام لینا چاہتا تھا لیکن میرے دادا کی وجہ سے قید میں تھا۔دادا ملوکا کے دوست کرم علی کے مرشد سے خوف زدہ تھے۔کرم علی نے ملوکا کو مرشد کا پیغام دیا کہ گھڑ دوڑ میں حصہ نہ لے۔ملوکا کے لئے پیچھے ہٹنا ممکن نہیں تھا۔وہ دوڑ جیت گیا۔دھاندل کے ذہن پر انتقام سوار تھا۔ ملوکا نے کرم علی کے مرشد کے حکم پر گاؤں چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔اس سے پہلے کہ صبح ہوتی،اس کا گھر شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ملوکا کو انصاف دلانے کا وقت آ گیا تھا۔سب سے پہلے دھاندل کو تحفظ دینے والے سہاسی جادوگر کو ٹھکانے لگایا اور پھر عیاش بیٹوں کی موت نے دھاندل کو نشانِ عبرت بنا دیا۔ملوکا آزاد ہو چکا تھا،کرم علی کے مرشد نے اسے قبول کرلیا اور میرے لئے نیک راہ اختیار کرنے کا پیغام بھجوایا۔میں ہنی دان پہنچا تو ہر طرف آگ تھی۔دادا بری طرح زخمی تھے اور بابا سونیری راکھ کے ڈھیر پر پڑے تھے۔ باظناری اجنّہ نے حملہ کر دیا تھا۔بابا سونیری نے باظناریوں کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔جانتا تھا کہ وہ بدلہ لینے پھر آئیں گے۔ہم جوابی حملہ کے لئے تیار تھے۔گھمسان کا معرکہ ہوا جس میں دونوں طرف بھاری نقصان ہوا۔جالوت کے اکثر ساتھی مارے گئے۔دادا اور بابا سونیری جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور میں بے ہوش ہوگیا۔آنکھ کھلی تو سلطنتِ اجنّہ میں باظناریوں کی قید میں تھا۔ موقع ملتے ہی فرار ہوا اور ظربوق سے ملاقات ہوئی— میرے جسم پر کیڑے لگ چکے تھے۔ظربوق نے بتایا کہ وہ حضرت صاحب کا معتقد ہے اور حضرت صاحب ہی میری مدد کر سکتے ہیں۔میں ظربوق کے ساتھ چلنے پر راضی ہوگیا۔

حضرت صاحب کے میرے لئے کہے گئے الفاظ بتا کر ظربوق سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا ،حمورابی ! ہم میں شامل کیوں نہیں ہو جاتے—؟

پھیکی مسکراہٹ سے جواب دیا،حمورابی اپنی شناخت نہیں کھو سکتا۔اپنی شناخت مجھے اندر سے ختم کرنا ہوگی۔ حضرت صاحب سے ملاقات ہوگئی تو اس مسئلہ کا حل بھی نکل آئے گا۔

ظربوق کچھ نہ سمجھتے ہوئے خوش ہو کر بولا ، پھر تو تم جلد

ہم میں شامل ہو جاؤ گے کیوں کہ تمہارے جسم سے شنگرف کی صفائی کے بعد حضرت صاحب سے ملاقات کروادی جائے گی۔

چونک کر ظربوق کو دیکھا۔ میرے علم میں نہیں تھا کہ حضرت صاحب سے ملاقات میں تاخیر کی وجہ یہ ہے۔

اگلے روز ظربوق نے صبح سویرے مختلف دواؤں سے شنگرف کی صفائی شروع کردی۔ اس دوران سخت تکلیف ہوئی لیکن میں

''مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں''

کے مصداق اب تکلیف برداشت کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔ باطناریوں سے گھمسان کی لڑائی میں جسم جھلسنے کی تکلیف اور پھر بروقت علاج نہ ہونے سے کیڑے پڑنا سخت تکلیف دہ عمل تھا۔ اس سے پہلے بھی میری زندگی آسان نہیں رہی۔ بابا سونیری نے تربیت کر کے مجھے سخت جان بنادیا تھا۔ بہر حال جو وقت گزر گیا، اس کا بھلا دینا بہتر ہے البتہ گزرے وقت سے سبق ضرور سیکھ لینا چاہئے تا کہ آئندہ جب ایسی کسی صورت حال کا سامنا ہو تو وہ غلطیاں دوبارہ نہ کی جائیں جن کا خمیازہ پہلے بھگتنا پڑا۔ خیالات میں گم ہوا اور تکلیف کا احساس بھول گیا۔ آدمی کسی خیال میں گم ہو جائے تو تکلیف پر سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ سب ذہن کا کھیل ہے۔

ظربوق اپنے کام میں مگن رہا۔ اس نے پوری کوشش کی کہ ہاتھ ہلکا رکھے۔ میں نے ضبط سے کام لیا اور رکاوٹ نہیں ڈالی تا کہ بغیر کسی تعطل کے صفائی ہو اور مجھے راحت مل جائے۔ تکلیف کے بعد راحت کے یقین سے میں تکلیف سے گزر گیا۔ آہستہ آہستہ جسم سے شنگرف صاف ہوا۔ سرخ و سفید نرم کھال نظر آنے لگی جیسے نوزائیدہ بچوں کی ہوتی ہے۔

ظربوق کی خوشی دیدنی تھی اور میرا حال یہ تھا کہ جیسے نئی زندگی مل گئی ہو۔ آنکھیں بھیگ گئیں اور گزرے وقت کی سختیاں ذہن سے محو ہوگئیں۔

خلیفہ صاحب نے فرمایا تھا کہ شنگرف کی صفائی بہت احتیاط سے کی جائے ورنہ کھال پھٹ جائے گی۔ ظربوق نے بتایا کہ کھال کی مضبوطی میں سال لگے گا۔

سامان سمیٹتے ہوئے بولا، جاؤ غسل کرلو۔ لفافہ بھی دیا جس میں جناتی لباس میرے قد کاٹھ کے حساب سے بنایا گیا تھا۔ ہلکے گنگنے پانی سے کافی دیر تک جسم کو آہستگی سے صاف کیا۔ باہر آیا تو ظربوق صفائی کر کے کھانا لگا چکا تھا۔

آج خلاف معمول ایک ڈش تھی اور وہ بھی جناتی۔ کھانا بنانے میں اہتمام کیا گیا تھا کہ مجھے پسند آئے۔ اونٹ کے پائے کا سالن، ثابت نلیاں جنہیں ظربوق مولی کی طرح توڑ کر گودا میری پلیٹ میں ڈال دیتا اور ہڈیاں اپنی پلیٹ میں رکھ لیتا۔ گودے کا ذائقہ ہلکا نمکین، مارجرین جیسا تھا۔ سالن خوش ذائقہ تھا۔ میں نے بہت شوق سے کھایا۔ نئی کھال آنے کے بعد جسم ہلکا پھلکا

ہو گیا تھا۔ ظربوق میری کھال کو دیکھ کر بہت خوش تھا۔ اس نے خدمت اور دوستی کا حق ادا کیا تھا۔ اگر وہ نہ ملتا تو نہیں معلوم میں زندہ بھی ہوتا یا نہیں۔ یقیناً اچھا دوست اللہ کی نعمتوں میں سے ایک ہے۔

دوست کا خیال آیا تو ژولین یاد آ گئی۔ نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہو گی۔ وہ مجھے نجات دہندہ سمجھتی تھی اور ایک میں ہوں کہ مجبور اور بے کس۔ اس کی سلطنت زمین سے دور کسی اور دنیا میں تھی۔ اس کا ہمزاد ماورائی سیر کے دوران بھٹک کر وقت کی ان جانی بیلٹ پر آ گیا تھا جہاں وہ گھمری کے ہتھے چڑھ گیا۔ ژولین کا کوئی استاد نہ تھا جو راہ نمائی کرتا۔

ژولین میری بہت اچھی دوست بن گئی تھی۔ اس کا شاہانہ انداز غرور سے پاک تھا۔ وہ ملکہ تھی مگر تکبر سے عاری۔ اخلاقی قدروں سے واقف تھی۔ ہر ادا سے عظمت کا اظہار ہوتا۔ شاہانہ انداز کے ساتھ شاہانہ دل کی مالک تھی لیکن ایسے جادوگر کی قید میں آ گئی تھی جو خود غلام تھا اور جس کا ہر عمل اخلاقی پابندیوں اور لطیف احساسات سے عاری تھا۔ استدراج میں اخلاقی قدروں کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اس حوالہ سے ژولین میری استاد تھی اور میں اس کا شکر گزار۔

ژولین کے ساتھ گزرا وقت فلم کی طرح نظروں میں گھوم گیا۔ خیالات میں غلطاں و پیچاں میں شرمندہ تھا کہ اس کی مدد نہ کر سکا۔ ظربوق کی آواز پر چونکا۔

کہاں کھو گئے میرے دوست —؟

ظربوق! تمہاری دوستی دیکھ کر اپنا دوست یاد آ گیا۔ سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

کون دوست —؟ اس سے پہلے تم نے کسی دوست کا ذکر نہیں کیا۔ کیا نام ہے اس کا —؟

وہ ایک مجبور ملکہ تھی۔ تاسف سے کہا۔

ملکہ کیسے مجبور ہو سکتی ہے۔ کہاں کی ملکہ تھی —؟

تم نہیں سمجھو گے دوست! چھوڑو اس قصہ کو۔

یہ ٹھیک ہے حمورابی کہ انسان جنات سے افضل ہیں مگر اللہ نے جنات کو بھی فہم و ادراک عطا فرمایا ہے۔ مجموعی طور پر نوع آدم اس وقت جس سطح پر ہے، جنات ان سے آگے ہیں البتہ انسان افضل مخلوق ہے اور ہم ان کے خادم۔ سمجھ اور ناسمجھی کا فیصلہ اس وقت ہو گا جب پوری بات بتاؤ گے۔

ملکہ ژولین کا تعلق ہماری زمین سے نہیں ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے؟ ظربوق نے حیرت کا اظہار کیا۔

کبھی تم نے آسمان کو دیکھا ہے —؟

ہر وقت دیکھتا ہوں۔ اس میں خاص بات کیا ہے۔

آسمان پر بے شمار ستارے ہیں۔ سائنس نے ستاروں کو شناخت کے لئے مختلف نام دے رکھے ہیں۔ ہمارا سورج اور سورج کے گرد گھومتے سیارے، اس جیسے دیگر اجرام فلکی، ستاروں کے جس جھرمٹ سے تعلق رکھتے ہیں اسے سائنس ملکی وے گیلیکسی کہتی ہے۔ یوں سمجھو کہ ستاروں کے جھرمٹ کی شکل اسپائرل یعنی چکر

داریا پیچ دار ہے جیسے جلیبی کی شکل!

جسے تم لوگ زمین پر بہت شوق سے کھاتے ہوتا کہ تم میں موجود معین مقداریں زمین کے ماحول کے مطابق برقرار رہیں۔ظربوق کے سفید دانت واضح ہوگئے۔اس نے مزید کہا، مٹھائی مجھے بھی بہت پسند ہے۔

میں نے بات جاری رکھی— ہمارا شمسی نظام ملکی وے گیلیکسی کا حصہ ہے جو سائنس کے مطابق تقریباً ایک سے چار کھرب ستاروں پر مشتمل ہے۔آسمان پر اس جیسی بے شمار گیلیکسیز ہیں جن میں لاتعداد شمسی نظام ہیں، ان میں کہیں پر زمین سے مشابہ سیارے بھی ہیں جہاں انسان اور جنات کی آبادی ہے۔ظربوق عدم دل چسپی سے سن رہا تھا جیسے وہ مجھ سے زیادہ معلومات رکھتا ہو۔ البتہ کہیں کہیں پر تعجب کا اظہار کرتا۔ بات کاٹتے ہوئے بولا، تم ملکہ ژولین کے بارے میں بتاؤ۔

وہی بتا رہا ہوں دوست! آسمان پر موجود ستاروں کے جھرمٹوں میں سے ایک گیلیکسی جس کو سائنس ''ٹرائی اینگولم'' گیلیکسی کے نام سے جانتی ہے، اس کا فاصلہ زمین سے تقریباً 30 لاکھ نوری سال پر مشتمل ہے۔ نوری سال فاصلہ کی اکائی ہے۔یعنی روشنی کسی مقام سے سفر شروع کرے اور ایک سال تک مسلسل چلتی رہے تو ایک سال بعد وہ جس مقام پر پہنچے گی ابتدائی مقام سے آخری مقام تک کا فاصلہ ایک نوری سال کہلائے گا۔ روشنی کی رفتار کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ایک سیکنڈ میں زمین کے گرد سات مکمل چکر لگالیتی ہے۔

ژولین کا تعلق ''ٹرائی اینگولم'' گیلیکسی کے شمسی نظام ''ایکواڈو'' سے ہے اور وہ اس کی ایک سلطنت ''پیاما'' کی ملکہ ہے۔

کیا ٹرائی اینگولم گیلیکسی کو آسمان پر دیکھا جاسکتا ہے؟

ہاں! مادی آنکھ سے آسمان پر دیکھا جاسکتا ہے بشرط یہ کہ فضا میں گرد نہ ہو۔مگر ژولین اس وقت زمین پر قید ہے اور میں زمین پر جانے سے بے بس ہوں۔

اداسی غالب ہوئی تو ظربوق نے کہا، حضرت صاحب واپسی کی صورت جلد نکالیں گے اور تمہیں نہیں معلوم کہ شاہ اجنہّ نے مشیر خاص کو باظنار سے متعلق اہم فیصلوں پر مشاورت کے لئے حضرت صاحب کے پاس بھیجا ہے۔تمہارے متعلق بھی بات ہوگی۔سلطنت اجنہّ میں تمہاری موجودگی کو حکومت نے بہت سنجیدگی سے لیا ہے۔ رات کھانے پر ان کی حضرت صاحب سے ملاقات ہے۔

اب تک ظربوق میری باتوں پر تعجب کا اظہار کر رہا تھا اور اب حیران ہونے کی باری میری تھی۔ میری موجودگی سے نہ صرف حکومت وقت آگاہ تھی بلکہ اسے سنجیدگی سے لیا گیا تھا۔شاہ اجنہّ تک معاملہ کا پہنچنا قابل تشویش تھا۔ یہ بات قابل تقویت تھی کہ سلطنت اجنہّ میں اپنی مرضی سے آیا نہ میں کسی جرم کا مرتکب تھا۔

میری یہاں موجودگی شاہ اجنہّ کے لئے ناپسندیدہ ہوسکتی تھی لیکن ناقابل معافی جرم نہیں۔ پھر حضرت

صاحب نے مجھے بحیثیت مہمان قبول کیا تھا۔ ظربوق کی اطلاع پر میں اپنی سوچوں میں گم ہو گیا۔

ظربوق بولا، کیا بات ہے دوست بار بار کھو جاتے ہو۔ تم نے اب تک ملکہ ژولین کے بارے میں نہیں بتایا۔ ژولین کے بارے میں اس کا تجسس بڑھ گیا تھا۔

اور کیا بتاؤں۔ وہ قید میں تھی اور مجھ سے بڑی امیدیں تھیں کہ رہائی میں مدد کروں گا۔ مجھے اپنا نجات دہندہ سمجھتی تھی اور میں چاہتے ہوئے بھی مدد نہ کر سکا۔ نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہو گی۔ دیکھنے کی بہت کوشش کی مگر اندھیرے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

حمورابی! پریشان مت ہو۔ اللہ مسبب الاسباب ہے۔ ضرور مدد کرے گا، انشاءاللہ۔

باتیں جاری تھیں کہ خلیفہ صاحب تشریف لائے۔ ہم دونوں کھڑے ہوئے اور ان کو بیٹھنے کی جگہ پیش کی۔ وہ برابر میں بیٹھ گئے اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے، آج رات شاہی اہلکار تمہارا بیان لینے آئیں گے۔ مختصر اور جامع بیان تمہارے حق میں بہتر ہے۔ کل فجر کی نماز کے بعد حضرت صاحب سے تمہاری ملاقات ہے۔ حمورابی! تم ہمارے مہمان ہو۔ جو فیصلہ کرو گے، اس کے مطابق تمہارا ساتھ دیں گے اور زمین پر واپس بھیجنے میں مدد کریں گے۔

تمہیں معلوم ہے کہ حضرت صاحب کی درخواست پر شاہ اجنّہ نے باظناریوں کی جانب سے جاری بربریت کے سدباب اور ظالموں کے خلاف بھرپور کارروائی کا یقین دلایا ہے۔ بچپن میں تم پر کیا گزری، ماں باپ کی ہلاکت کیسے ہوئی، بعد کے حالات اور یہاں تک پہنچنے کے تمام واقعات بتانا لیکن غیر ضروری تفصیل سے اجتناب کرنا۔ میں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

خلیفہ صاحب میرے یعنی ایک چنکھا کے ماضی سے آگاہ تھے جو کم از کم میرے لئے حیرت انگیز تھا۔ مزید کچھ کہے بغیر ظربوق کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور روانہ ہو گئے۔ غالباً سوچنے کا وقت دینا چاہتے تھے۔

میرا ذہن خالی تھا۔ بس ایک ہی خیال تھا جس سے ذہن ہلکا ہو گیا—سب کچھ آنے والے حالات پر چھوڑ دوں، قبل از وقت ذہن کو تھکانے اور پریشان ہونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا!

رات ہوئی تو تین لحیم وشحیم قوی الجثہ جنات—جن کے چہروں پر سختی تھی، مردال کے ہم راہ آئے۔ اس نے تینوں افراد کو بٹھایا اور وہاں سے چلا گیا۔ تفتیشی اہلکاروں نے بنا تمہید کے کئی سوالات کئے، بہت سی باتیں پوچھیں۔ میں نے ہر بات کا مختصر اور صحیح جواب دیا۔ انہوں اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا کہ میں حضرت صاحب کا مہمان ہوں۔

میرے حالات سے واقف ہونے کے بعد ان کی آنکھوں میں ہم دردی کی جھلک دیکھی۔ دوران گفتگو انہوں نے انکشاف کیا کہ باظناری اجنّہ زمین سے میرے ہم راہ اور لوگوں کو بھی اغوا کر کے لائے تھے۔ وہ

کون تھے اس کی تفصیل نہیں بتائی۔ ژولین کے متعلق بھی سوال و جواب ہوئے۔ ان کے جاتے ہی خلیفہ صاحب مردال اور ظربوق کے ہم راہ آ گئے۔ انہوں نے صبح کی ملاقات کے لئے تیار رہنے کی ایک مرتبہ پھر تاکید فرمائی اور تسلی دے کر روانہ ہو گئے۔

رات تقریباً آنکھوں میں کٹ گئی۔ آخری پہر کچھ دیر آنکھ لگی اور فجر کی اذان پر جاگ گیا۔ مسجد قریب تھی۔ ایک دروازہ احاطہ کے اندر کھلتا تھا۔ آج اذان خلاف معمول کوئی اور دے رہا تھا۔ آواز میں اتنا گداز اور ٹھہراؤ تھا کہ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ آواز کا گداز طبیعت کا گداز بن گیا اور ''الصلوۃ خیر من النوم'' کے الفاظ سن کر آنسوؤں کا سیل رواں ہو گیا۔ کافی دیر تکیہ سے ٹیک لگائے خلا میں گھورتا رہا اور آنسو بہتے رہے۔

خلیفہ صاحب سے ملنے کے بعد طبیعت میں اتنا گداز نہ جانے کہاں سے امڈ آیا تھا کہ بات بات پر آنسو بہنے لگے۔ دستک پر جلدی سے آنسو صاف کئے۔ دروازہ کھولا تو سامنے خلیفہ صاحب کھڑے تھے۔ وہ نماز کے بعد میری طرف آ گئے تھے۔

چلو بھئی تم تیار نہیں ہوئے ابھی تک۔ جلدی کرو میں مردال کو بھیج رہا ہوں اس کے ساتھ آ جانا۔

یہ کہتے ہوئے مڑ گئے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ مردال آ گیا اور میں اس کے ہم راہ حضرت صاحب سے ملاقات کے لئے چل پڑا۔ (قسط نمبر ۲۳)

آدمی کے علاوہ اکثر حیوانات کی آنکھ کی پتلی گول ہوتی ہے۔ بھیڑ بکریاں، ہرن یا وہ جانور جن کے کھر ہوتے ہیں ان کی آنکھ کی پتلی مستطیل (Rectangular) اور رخ افقی ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بھیڑ بکریاں 320 سے 340 ڈگری تک بغیر سر ہلائے اردگرد کا جائزہ لے سکتی ہیں جب کہ آدمی 160 سے 210 ڈگری تک کی چیزوں کو دیکھ سکتا ہے۔ جن جانوروں کی آنکھ کی پتلی مستطیل ہے وہ رات کو اندھیرے میں زیادہ بہتر دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں کیوں کہ ان کی پتلی کا سائز قدرے بڑا ہوتا ہے۔ دن کے وقت یہ آنکھ کی پتلی کو سکیڑ لیتے ہیں تا کہ روشنی آنکھ میں کم سے کم داخل ہو۔ اس کے علاوہ آبی مخلوق آکٹوپس کی آنکھ کی پتلی بھی مستطیل ہے۔ شکاری جانوروں کی آنکھوں کی پتلی گول جب کہ وہ جانور جو شکار بن جاتے ہیں ان کی پتلی مستطیل ہوتی ہے تا کہ وہ شکاریوں سے باخبر رہ سکیں۔

نادرہ مبین

تعمیل حکم

ہم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے۔تعمیل کرنے والوں کی درجہ بندی ہے۔منحصر ہے کہ حاکم کون ہے۔کون ہے جسے آپ نے دل سے حکم ران تسلیم کیا ہے۔وہ جو حکم دے گا، آپ تعمیل کریں گے۔

باجی! آپ کہاں ہیں، کس خیال میں ہیں؟ تخت پر بیٹھی چھوٹی بہن بشریٰ نے کہا۔

آں! اوہ ہاں! میں کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

کیا سمجھنا چاہ رہی ہیں—؟ بشریٰ نے پوچھا۔

یہی کہ تعمیل حکم کیا ہے—؟

لو باجی! اس میں بھلا سمجھنے کی کیا بات ہے؟ بھئی حکم تو ماننے کے لئے ہوتا ہے۔سمجھ میں آئے یا نہ آئے بس تعمیل کرو۔ گہری بات اتنی آسانی سے کہتے ہوئے چھوٹی بہن چائے کا کپ اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔

اور وہ سوچتی رہ گئی کہ کیا واقعی ایسا ہے، کیا حکم کی تعمیل اتنی آسان ہے؟ جب کہ عاشق رسولؐ — علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں،

مسجد تو بنا دی شب بھر میں
ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے
برسوں میں نمازی بن نہ سکا

موبائل فون کی گھنٹی بجی۔

ہیلو—السلام علیکم ہیلو—وعلیکم السلام۔

دوسری جانب اس کی بے تکلف اور آزاد ذہن دوست ہما تھی۔ کہاں غائب ہو کوئی خیر خبر نہیں ہے۔

اچھا سنو آج شام سی ویو پر چلتے ہیں، کھانا باہر کھائیں گے۔سوشل لائف نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے۔مینجنگ ڈائریکٹر کی جاب نے بہت تھکا دیا ہے۔

ارے ہاں، گڈ آئیڈیا۔ایسا کرتے ہیں کہ حنا کو بھی ساتھ لے لیتے ہیں۔صبا نے خواہش ظاہر کی۔

کون حنا—؟ اچھا وہ تمہاری نئی دوست جو آج کل عجیب قسم کا لٹریچر پڑھ رہی ہے اور لوگوں کو بتا کر بور بھی کرتی رہتی ہے۔

ارے نہیں ہما! ایسا نہیں ہے۔ دراصل لوگ سطحی سوچ رکھتے ہیں اور دنیاوی باتوں میں زیادہ دل چسپی لیتے ہیں اس لئے حنا کی باتوں سے بور ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھنا نہیں چاہتے۔ حقیقت یہ ہے کہ حنا کی بات میرے دل کو لگتی ہے۔صبا نے حمایت کی۔

اچھا ٹھیک ہے! تم کہتی ہو تو اسے لے چلیں گے۔

خیال رکھنا کہ میرا بور ہونے کا موڈ بالکل نہیں ہے۔ ہما نے نہ چاہتے ہوئے ہامی بھری۔

اوکے ڈیئر، خیال رہے گا۔ پھر آج شام کو ملتے ہیں۔ کہیں پروگرام تبدیل نہ کر لینا۔

صبا نے کہا، ہاں ہاں چل رہے ہیں ہم۔

میں تم دونوں کو پانچ بجے گھر سے پک کر لوں گی، اللہ حافظ۔ فون رکھنے کے بعد صبا نے حنا کو بھی اطلاع دی اور موبائل فون بند کر دیا۔

صبا کی عادت تھی کہ کسی چیز کو گہرائی میں سمجھنا چاہتی تو موبائل فون پہلی فرصت میں بند کر دیتی۔

ذہن میں ایک ہی بات تھی — تعمیل حکم۔ کوئی کسی کی بات کب سنتا ہے — کب مانتا ہے —؟ شاید لوگ ڈر، خوف اور ڈنڈے کے زور پر بجا آوری کرتے ہیں۔

نہیں! یہ جواب صحیح نہیں ہے کیوں کہ اگر تعمیل ڈنڈے کے زور پر ہے تو دوسرا اس سے زیادہ طاقت ور ہوگا۔ کیا اس کی تعمیل چھوڑ کر دوسرے کی تعمیل کریں گے۔ یہ تو خوف ہوا، تعمیل نہیں۔ سوچ کے تانے بانے بنتے گئے اور صبا نے سوچا کہ لوگ کسی کی بات سنتے اور اس لئے مانتے ہیں کہ مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔ جیسے باس کے حکم کی تعمیل۔ سطحی ذہن اللہ کے بجائے باس کو گھر کی روزی روٹی کا سبب سمجھتا ہے۔ دوستوں کی باتیں مانتا ہے تاکہ ان سے تعلق جڑا رہے، بنا تجزیہ کئے کہ آیا دوست درست کہہ رہا ہے یا غلط۔ میاں، بیوی اور اولاد ایک دوسرے کی بات اس لئے نہیں مانتے کہ اللہ تعالیٰ ایسا چاہتے ہیں بلکہ اس لئے مانتے ہیں کہ ڈرامہ چلتا رہے اور مفادات پورے ہوں۔ سوچوں سے گھبرا کر اٹھی۔ ذہن میں شعر آیا،

؎ مدت سے ہے آوارۂ افلاک میرا فکر
کر دے اسے اب چاند کے غاروں میں نظر بند

لیکن علامہ اقبالؒ نے یہ بھی تو فرمایا ہے کہ

؎ عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریک زمرۂ ''لا یحزنوں'' کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

الفاظ پر غور کرتے ہوئے سوچا کہ ''لا یحزنوں'' لوگ کون ہیں —؟ وہ لوگ جنہوں نے مکمل تعمیل کی۔ اندر سے آواز آئی۔ خیر یہ ایک الگ موضوع ہے۔ ابھی تو مجھے حکم، حکام اور تعمیل حکم کو سمجھنا ہے۔

اندر کی آواز کو نظر انداز کر دیا۔

اندر سے سچ برآمد ہوتا ہے تو آدمی سچ کی کڑواہٹ سے فرار کے لئے باہر کے ماحول کا سہارا لیتا ہے۔ صبا نے لغت اٹھائی اور معنی تلاش کئے۔ تعمیل حکم اور ملتے جلتے الفاظ کے معنی پڑھے۔

حک: مٹانا، کھرچنا، چھیلنا، دور کرنا، رگڑ، خراش، گھٹانا، بڑھنا، خارج و داخل۔

حکاک: مہر کن، حرف کھودنے والا، نگینہ ساز، موتی

میں چھید کرنے والا۔ حکام حاکم کی جمع ہے۔

حکم: فرمان، پروانہ، ارشاد، ہدایت، اجازت۔

تعمیل: عمل کرنا، حکم بجالانا، بجا آوری، عمل درآمد، فرماں برداری۔

صبا نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ڈکشنری بند کردی اور شیلف میں دیگر کتب دیکھنے لگی۔ ایک کتاب اٹھائی۔ عنوان تھا ''عارفانہ کلام''۔ تخت سے پشت لگائے کراچی کی ٹھنڈی فرحت آمیز ساحلی ہوا کا لطف لیتے ہوئے ورق گردانی کی۔ ایک ورق پر کلام پڑھنا شروع کیا۔

اے تن میرا جے کنگھی ہو وے،
تے میں زلف محبوب دی واہواں
پوش میرے دی بن جائے جتی
تے میں یار دے پیری آواں
جے سوہنا میرے دکھ وچ راضی
تے میں سکھ نوں چولھے ڈانواں
یار فرید کدی مل جائے سوہنا
اونہوں رو رو حال سناواں

ترجمہ: ''میرے جسم میں اتنے خلا ہوں جتنے کنگھی میں ہوتے ہیں تو میں اپنے محبوب کی زلفیں سنوارنے کے کام آؤں۔ میرے بدن کے کھال کی جوتی بن جائے اور میں محبوب کے قدموں کے نیچے آجاؤں۔ اگر میرا محبوب میرے دکھ سے راضی ہے تو میں سکھ کو آگ میں ڈالوں۔ اگر محبوب مجھے مل جائے تو میں رو رو کر اسے حال سناؤں۔''

اف! دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا کہ یہ تعمیل حکم کا کون سا درجہ ہے، کس کے لئے ہے اور اس درجہ تک کس کی رسائی ممکن ہے ——؟ اس سے پہلے کہ وہ مزید سوچتی، چھوٹی بہن بشریٰ نے اطلاع دی —— ہما باجی کا فون آیا تھا وہ آدھے گھنٹے میں پہنچنے والی ہیں۔ آپ کا فون بند ہے۔ اوہ ہاں —— ٹھیک ہے میں تیار ہوتی ہوں۔ صبا الماری کی جانب بڑھ گئی۔

سی ویو کے قریب جدید طرز کے ریسٹورینٹ میں تینوں سہیلیاں موجود تھیں۔ سورج غروب ہونے کے آخری مراحل میں تھا۔ سمندر کی لہروں پر سورج کا نارنجی عکس نمایاں تھا۔ صبا لہروں کے ساحل سے بار بار ٹکرانے کے عمل کو دیکھنے میں محو تھی۔ لہریں بے قرار ہوکر ساحل سے سر کیوں پٹختی ہیں؟ اس لئے بے قرار ہیں کہ اپنے مرکز سے دور ہوچکی ہیں۔ حنا نے ٹھہرے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ سمندر کے مرکز میں سکون ہے۔ لہروں کی طرح جب آدم زاد اپنے مرکز سے دور ہوتا ہے تو بے سکون اور بے قرار ہوجاتا ہے۔

آدم زاد کا مرکز کیا ہے ——؟ صبا نے پوچھا۔

روح۔ حنا نے جواب دیا۔

افوہ حنا! تمہاری باتیں مشکل سے سمجھ میں آتی ہیں۔ ہم یہاں بور ہونے نہیں آئے۔ ہما نے احتجاج کیا۔

حنا، تم نے بہت خوب صورت جواب دیا ہے۔ جامع اور تسلی بخش، مجھے بہت اچھا لگا۔

صبا کے چہرہ پر خوشی تھی۔ اس نے ہما کے احتجاج کو نظر

انداز کر دیا۔ تمہیں معلوم ہے، میں صبح سے سوچ رہی ہوں کہ تعمیل حکم کیا ہے۔

لو ایک اور بوریت کا ڈبا کھلنے والا ہے۔ میں سامنے ایکیوریم کو دیکھنے جا رہی ہوں۔ ہما اٹھتے ہوئے بولی۔

ان دو الفاظ (تعمیل حکم) میں بہت گہرائی ہے صبا۔ یہاں ہر آدمی نے اپنا آقا اور محبوب بنا رکھا ہے۔ اس کا بنایا ہوا آقا جو حکم دیتا ہے، غلام بجا آوری میں مصروف ہو جاتا ہے۔ دولت، اقتدار، اولاد، مجازی محبوب اور خواہشات کا انبار سب بت ہیں، بس شکل بدل گئی ہے۔

ہم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے۔ تعمیل کرنے والوں کی بھی درجہ بندی ہے۔ منحصر ہے کہ حاکم کون ہے۔ کون ہے جسے آپ نے دل سے حکم ران تسلیم کیا ہے۔ وہ آپ کو جو حکم دے گا، آپ تعمیل کریں گے۔ یہاں تک کہ لوگ فرسودہ عقائد و روایات کو بت بنا کر پوجتے ہیں۔ حالاں کہ یہ سب فریب ہے۔

پھر ہمیں سارے باطل حکام کو ''توڑ کر'' حقیقی حکام کو تلاش کرنا چاہئے؟ صبا نے کہا۔

جی! پہلے تو یہ سوچنا ہے کہ حاکم اعلیٰ کون ہے اور حکم دینا کس کو زیب دیتا ہے—؟

صبا نے کہا کہ حاکم اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کے بعد انبیائے کرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔

لیکن حنا ہم موجودہ دور کی جنریشن کہاں جائیں جب کہ ہم جانتے ہیں کہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

صبا نے پوچھا۔ دیکھو صبا اس حوالہ سے دو جگ کے سردار، خاتم النبیین حضرت محمدؐ کا ارشاد مشعل راہ ہے:

''میں اپنے بعد اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد چھوڑ کر جا رہا ہوں۔'' (صحیح مسلم، جامع ترمذی)

حنا نے بیگ سے کتاب نکالی اور اس میں تحریر پڑھ کر سنائی۔ لکھا تھا—

''قدرت اپنے پیغام کو پہنچانے کے لئے دیئے سے دیا جلاتی رہتی ہے۔ معرفت کی مشعل ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ آخر یہ قطب، غوث، ولی، ابدال، صوفی، مجذوب اور قلندر سب کیا ہیں۔ یہ قدرت کے وہ ہاتھ ہیں جو روحانی روشنی کی مشعل کو لے کر چلتے رہتے ہیں۔ اس روشنی سے اپنی ذات کو بھی روشن رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی روشنی کا انعکاس دیتے ہیں۔''

یہ کون ہستیاں ہیں—؟ صبا نے پوچھا۔

یہ سب اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی صفات بیان کی ہیں کہ

''اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔'' (یونس:۶۲)

اولیاء اللہ — حضور پاکؐ کے روحانی علوم کے وارث ہیں۔ وقت، فاصلے اور وسائل ان کے تابع ہیں لیکن یہ ہستیاں ہر شے کو اللہ کی معرفت دیکھتی ہیں اور اختیار ہونے کے باوجود اللہ کے حکم کی تابع ہیں۔ ان کی طرز فکر ''صبغت اللہ'' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے

ان برگزیدہ ہستیوں کو اپنا دوست فرمایا ہے۔ اگر ایسا استاد مل جائے تو خود کو دنیا کا خوش قسمت فرد تصور کرو اور ان کے حکم پر خود کو قربان کردو۔ اللہ کے دوستوں کی فرماں برداری تمہیں اپنا اور ذاتِ الٰہی کا عرفان عطا کرے گی، انشاءاللہ۔ شرط یہ ہے کہ اپنے اندر کے بتوں کو توڑ دو اور دل کو اللہ کی محبت کے لئے خالی رکھو— دنیا کی ہر شے خوب صورت نظر آئے گی۔ خوشی سے اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کروگی اور سکون سے واقف ہوجاؤ گی۔

صبا نے آنکھیں بند کر کے سر کرسی کی پشت سے لگا دیا اور اطمینان بھرا گہرا سانس لیا۔ من کی گہرائیاں حنا کی باتوں کی تصدیق کر رہی تھیں۔

حنا کے لفظ کانوں میں گونج رہے تھے۔ ایک مرد قلندر— روحانی استاد پہلے ہمارا تزکیہ کرتا ہے پھر ہمیں علم سکھاتا ہے۔ صبا کے ذہن میں ڈکشنری میں دیئے گئے تعمیل حکم کے الفاظ واضح ہوئے۔ مٹانا، کھرچنا، چھیلنا، دور کرنا، رگڑ، خراش، گھٹنا، بڑھنا، نگینہ ساز ___ کڑی سے کڑی ملتی جارہی تھی۔ روحانی استاد اپنے شاگردوں کو آدمیوں کے بنائے ہوئے قوانین کی دنیا سے نکال کر اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کی دنیا میں داخل کرتا ہے۔

تربیت میں تعمیل حکم، سفر بھی ہے اور راستہ بھی۔

عارفانہ کلام کا مفہوم واضح ہوا۔ باطل حکام کے بت توڑ کر من کو خالی اور پاک کرلیا جائے۔ تب حق کی صدق دل سے تعمیل ہوتی ہے اور من کے دیئے میں عشق حقیقی کی لو روشن ہوجاتی ہے۔ یہ مرتبہ کب حاصل ہوتا ہے اور اس درجہ تک پہنچنے کی ابتدا کیسے ہو—؟ صبا نے پوچھا۔

حنا مسکرائی اور کہا، حکم کی تعمیل—اپنے آپ کی نفی کرنا ہے۔ بچہ کو اسکول میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے ذہن میں ہاں یا نہ نہیں ہوتی۔ جو سکھا دیا جائے، بچہ دہراتا ہے۔ اگر وہ سوال کرنا شروع کردے کہ الف، الف کیوں ہے، ج کیوں نہیں تو ایسا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ بچہ کو اردو کا قاعدہ سکھا دیا جائے۔

یاد رکھو! کسی بھی علم سیکھنے کے لئے دو سال کا بچہ بننا پڑتا ہے۔ جب تک چون و چرا ہوگی، حکم کی تعمیل نہیں ہوسکتی۔ ہر علم سیکھنے کا قانون ایک ہے۔ استاد جیسا کہتا ہے اس پر عمل کیا جائے۔ تم کہو کہ ایسا نہیں، ویسا ہو تو تم علم نہیں سیکھ سکتیں۔

صبا نے پوچھا، ان ساری باتوں کا خلاصہ کیا ہوا۔ تعمیل حکم کو زندگی میں کیسے شامل کریں—؟

ہم جہاں رہتے ہیں ہمیں اس جگہ سے واقف ہونا چاہئے۔ کائنات، علم ہے اور ہمارے لئے تخلیق کی گئی ہے۔ اس سے واقف ہونے کے لئے ہمیں کائنات کو اسکول اور خود کو دو سال کا بچہ سمجھنا چاہئے اور اپنی نفی کر کے خالق کائنات کے حکم کی تعمیل کرنی چاہئے۔

صبا نے حنا سے کہا، اچھے دوست اللہ کی نعمت ہیں۔ بہت شکریہ کہ تم نے تعمیل حکم کی حقیقت سمجھنے میں مدد کی۔ میں اس پر عمل کروں گی، انشاءاللہ۔

عظیمی

چاند کی کرنوں سے ــــ
گھنے اور لمبے بالوں کی نشو ونما

45 سال سے خواتین کا پسندیدہ

روغن گلوسبز

کراچی: 021-36039157
حیدرآباد: 0222781798
میرپورخاص: 03133508543
ڈگری: 03453700144
ملتان: 03006338192

فیصل آباد: 041-8540132
لاہور: 03224112737
راولپنڈی: 051-5169242
اٹک: 03135168800
ہری پور: 03135914147

پشاور: 03219110156
مانسہرہ: 03005621447
مظفرآباد: 05822446661
میرپور: 03455701558

اقتباسات

کرم فرما خواتین وحضرات قارئین ''ماہنامہ قلندر شعور'' ادارہ کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ ادارہ ان کی پسند و ناپسند کے آئینہ میں جذبات و احساسات کی فلم دیکھ کر رسالہ میں تبدیلیاں کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ قارئین — قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے لکھ کر بھیج سکتے ہیں۔ تحریر کم وبیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

جہاں تک طویل انتظار کا تعلق ہے، کائنات کے تخلیقی فارمولوں پر غور کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ ہر گزرنے والا لمحہ آنے والے لمحات کے انتظار کا پیش خیمہ ہے۔ انتظار بجائے خود زندگی ہے۔ بچپن سے لڑکپن، لڑکپن سے جوانی اور جوانی بڑھاپے کے انتظار میں گزرتی ہے۔ اگر آج پیدا ہونے والے بچہ کی زندگی میں آنے والے ساٹھ سالوں پر محیط بڑھاپا چکا ہوا نہ ہو تو پیدا ہونے والا بچہ پنگوڑے سے باہر نہیں آئے گا۔ نشوونما رک جائے گی، کائنات ٹھہر جائے گی، چاند سورج اپنی روشنی سے محروم ہو جائیں گے۔ جب ہم زمین میں کوئی بیج ڈالتے ہیں تو یہ دراصل اس انتظار کے عمل کی شروعات ہے کہ بیج پھول کھلائے گا۔

(کشکول: فائزہ اسلم۔ سرگودھا)

حیوانات میں بھی علم ہوتا ہے۔ مثلاً کھانا، پینا، بچوں کی پرورش کرنا، روزی تلاش کرنا، اس بات کا ادراک ہونا کہ ہمیں کون سی چیز کھانی ہے اور کون سی چیز نہیں کھانی چاہیئے۔ یہ سب علم ہے لیکن جب آدمی اور حیوانات کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو دو باتیں بطور خاص نظر آتی ہیں۔ ایک فطرت اور ایک جبلت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فطرت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ جبلت میں معاشرتی، معاشی، اخلاقی، غیر اخلاقی، ایثار و خلوص اور خودغرضی جیسے وہ تمام اعمال آجاتے ہیں جن میں آدمی اور حیوان زندہ رہتے ہیں۔ جبلت میں حیوانات اور آدمیوں میں ہمیں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اگر جبلی طور پر نوع آدم میں بچہ کی پرورش کرنے کے لئے مامتا کے جذبات ہیں تو ایک بلی میں بھی وہ تمام جذبات و احساسات موجود ہیں جو نوع آدم میں ماں میں ہوتے ہیں۔ آدمی سوتا ہے، سونے کے بعد جاگتا ہے، جاگنے کے بعد سوتا ہے۔ یہ سونے جاگنے کا عمل حیوانات میں

بھی ہے۔ آدمی کو بھوک لگتی ہے وہ کچھ کھاتا ہے۔ حیوانوں کو بھی بھوک لگتی ہے۔آدمی کو پیاس لگتی ہے، وہ پانی پیتا ہے اور حیوانات بھی پانی پیتے ہیں۔ اس میں کوئی تخصیص نہیں کہ چوپائے ہوں، پرندے ہوں یعنی آدمی اور حیوانات جبلی طور پر ایک ہی کنبہ کے افراد ہیں۔صورت شکل الگ الگ ہے لیکن سب ایک ہی کنبہ کے افراد ہیں۔آدمی اور حیوان میں فرق نہیں ۔ تلاش یہ کرنا ہے کہ آدمی اور انسان میں کیا فرق ہے؟

(سارہ بتول۔کراچی)

بے وقعت اور فضول امور میں مشغول ہونے کے بجائے مال واسباب کے بارے میں اپنے رویہ اور طرز عمل کا جائزہ لیجئے اور تبدیل شدہ رویہ اپنائیے۔آپ کے پاس جو مادی اسباب و سامان موجود ہیں ان کی فہرست بنالیں۔اس فہرست میں ایسی کوئی چیز ہے جس کی خاطر آپ مرجاتے ہیں۔ اب آپ اپنے اقدار، مثالی کردار اور پیاروں کے بارے میں سوچئے اور خود سے سوال کریں۔ترجیحات کا تعلق بنیادی طور پر مال و اسباب سے نہیں، سوچ اور یقین سے ہے۔ایسی سوچ سے نجات حاصل کیجئے جن سے مال واسباب کو فوقیت ملتی ہے۔ایسی سوچ اپنائیں جس سے خیالات اور ترجیحات کا رخ مثبت ہو یعنی پیسوں کو اولیت دینے کے بجائے رشتوں کو اولیت دیں۔ آپ کو کائنات میں خاص مقصد سے بھیجا گیا ہے جو ہرگز یہ نہیں ہے کہ بے شمار مال و اسباب اکٹھا کرلیں۔ دنیا میں خالی ہاتھ آئے اور خالی ہاتھ رخصت ہوں گے۔ دنیا سے رخصتی کے بعد ورثہ یہ ہے کہ آپ نے دنیا میں زندگی کس طرز پر گزاری اور لوگوں کے ساتھ آپ کا طرز عمل کیسا تھا۔ لہٰذا روحانی تشخص کے حصول کے لئے مقصد حیات پر نظر رکھیں۔

(فجر عمیر۔لاہور)

مراقبہ ایسا عمل ہے جس میں انسان عالم ظاہر کی طرح اپنے اندر موجود، متحرک اور مسلسل عمل کرنے والی مخفی دنیا سے روشناس ہوتا ہے۔ جس طرح ہم خواب کی حالت میں جسم کے تقاضوں سے آزاد ہوکر اس دنیا میں سفر کرتے ہیں، جس دنیا کو بیداری کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی اسی طرح مراقبہ میں ہم اس دنیا کو دیکھتے ہیں جس دنیا کو ظاہری آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ بیدار ہوتے ہیں تو مرحلہ وار یہ دنیا ہمارے لئے تجرباتی دنیا بن جاتی ہے۔ یہ تجربہ ہماری زندگی ہے۔اسی طرح یک سوئی کی مشق کے ذریعے پیراسائیکالوجی کے طالب علم کی نظر اپنے باطن میں کھلتی ہے تو عالم غیب میں بسنے والی دنیاؤں کے تجربات شروع ہوجاتے ہیں۔ جیسے جیسے غیب کی دنیا میں انہماک ہوتا ہے، غیب میں بسنے والے افراد سے تعارف ہوتا ہے اور غیب کی دنیا کے شب و روز سے واقفیت ہوجاتی ہے۔

(روح کی پکار: ثمین احمد، سکھر)

نامے میرے نام

کرم فرما خواتین وحضرات نے ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو دل کی گہرائیوں سے نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ قبول فرما کر روپ بہروپ کو دلہن کا روپ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قارئین کی خدمت کی توفیق دیں۔ رابطہ کے قدیم وجدید وسائل کے ذریعہ موصول ہونے والے خطوط میں سے منتخب خطوط شائع کیے جارہے ہیں۔

ثمرہ طارق (کراچی): مارچ 2017ء کے آج کی بات میں عظیمی صاحب کا عرس پر خطاب شائع کرنے کا شکریہ۔ آخر میں خلاصہ بھی پیش کیا گیا ہے جس سے متن کو سمجھنے میں مزید آسانی ہوئی۔ نئے لکھنے والوں کے مضامین پسند آئے۔ انگلش سیکشن میں صہیب رانا کا مضمون پڑھ کر لگا جیسے مضمون نگار نے میرے جذبات لکھ دیئے ہیں۔ دعا ہے کہ رسالہ مزید ترقی کرے۔ میں اپنے حلقۂ احباب میں رسالہ کو متعارف کراؤں گی، انشاء اللہ۔

بسمہ ساجد (کراچی): محترم عظیمی صاحب اپنی تحریروں میں غیب ظاہر غیب کی طرف بہت زیادہ متوجہ کرتے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ ظاہر ہونے کے لئے پہلے مجھے غائب ہونا پڑتا ہے اور غائب ہونے کے لئے ظاہر ہونا ضروری ہے۔ اس طرح تو میں نہ غائب ہوئی اور نہ ظاہر ہوئی پھر میں کیا ہوں ——؟ میں ہر لمحہ غائب ہو رہی ہوں لیکن مجھے غائب ہونے کا علم نہیں۔ پھر غائب ہو کر میں کہیں تو جارہی ہوں، اس کا بھی مجھے علم نہیں۔ جب سب کچھ کہیں اور ہو رہا ہے تو پھر یہاں کیا ہے——؟

★ **یہاں وہ ہے جس کا ہمیں علم نہیں لیکن دروبست اللہ تعالیٰ کی قدرت محیط ہے۔**

شازیہ فاروق (لاہور): مضامین کے عنوان کا انتخاب مضمون نگار کرتے ہیں یا ادارہ——؟ مضامین کے ساتھ عنوان بھی بہت اچھے ہیں۔ ''بجلی کے پردادا'' اچھی تحریر تھی۔ پڑھ کر معلوم ہوا کہ گرڈ اسٹیشن سے لے کر گھر کے سامنے بجلی کے تار بھی باتیں کرتے ہیں۔ جب بجلی کے پولز دیکھتی ہوں، ذہن چلنا شروع ہوجاتا ہے کہ ان میں چھوٹا اور بڑا کون ہے۔ بجلی ایک ہے لیکن میڈیم تبدیل ہونے سے ہم سب کو الگ الگ سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بابا عبید اللہ درانیؒ پر مضمون لاجواب تھا۔

احمد نواز (اٹک): روحانی ورکشاپ 2017ء کے کتابچہ میں ''وقت'' کے عنوان پر تفکر کیا اور وقت کی تین اقسام سمجھ میں آئیں۔ لازمانیت جہاں مکانیت بغیر حرکت کے موجود ہے۔ کائنات کا اجتماعی وقت جب اس میں حرکت

شروع ہوئی۔ فرد کا اپنا وقت مع حرکات و سکنات۔ اس سلسلہ میں مزید راہ نمائی کی درخواست ہے۔ نیز خیال اور وقت کے درمیان تعلق کی وضاحت فرما دیں، شکریہ۔

★ **کتاب ''وقت'' کا مطالعہ کیجئے، انشاء اللہ آپ مطمئن ہو جائیں گے۔ مرشد کریم آپ کی تحریر کو پسند فرماتے ہیں، کوشش کیجئے کہ ''ماہنامہ قلندر شعور'' کے لئے مضامین لکھئے۔**

فرحانہ طلعت (فیصل آباد): عرس 2015ء کے خطاب میں آپ نے حاضرین سے پوچھا تھا کہ کیا آپ خود کو پہچانتے ہیں۔ حاضرین نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا— اگر اپنے آپ کو نہیں پہچانتے تو پھر اللہ کو کیسے پہچانو گے —؟ بہت غور کیا کہ میں کون ہوں اور اللہ کے ساتھ میرا دائمی رشتہ ہے تو پھر وہ نظر کیوں نہیں آتا۔ ذہن پر ہر وقت ایک خیال حاوی رہتا ہے کہ میں کون ہوں اور اللہ سے کیسے واقف ہو سکتی ہوں۔ جواب کی منتظر۔

★ **قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ ابتدا ہے، اللہ انتہا ہے، اللہ ظاہر ہے اور اللہ ہی شعوری نگاہ سے چھپا ہوا ہے جب کہ اللہ اپنی نشانیوں میں ہر جگہ نمایاں ہے۔ اللہ کی نشانیوں پر غور کیجئے، انشاء اللہ آپ کا ذہن روشن ہو جائے گا۔**

عبدالنور (راولپنڈی): علی ضیا صاحب کے مضمون میں لکھا ہے کہ ''اس دنیا میں نہ انار سرخ ہے نہ آسمان نیلا اور نہ درخت ہرے ہیں۔ رنگین اس لئے نظر آتے ہیں کہ ذہن رنگین دکھا رہا ہے۔'' جاننا چاہتا ہوں کہ ذہن کیا ہے اور اگر رنگ کا وجود نہیں ہے تو پھر ذہن میں رنگ کہاں سے آ گئے —؟

★ **''اور یہ جو بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کی ہیں اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں۔'' (النحل: ۱۳)**

احمد بلال (کراچی): ڈاکٹر نعیم ظفر صاحب کا مضمون علمی اور معلوماتی ہے۔ کوشش کی جائے کہ مضمون عام فہم ہو۔ قارئین کے سوالات شامل کرنے سے موقع ملا ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے وہ پوچھ لی جائے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ''ہبل کی مدد سے بہت سے شواہد سامنے آئے۔ فلکیاتی تحقیق و تلاش کے نظریات مخمصہ کا شکار تھے۔ اب ان کے تسلی بخش جواب معلوم کئے جا سکتے ہیں۔'' میرا سوال یہ ہے کہ کائنات لامحدود اور ہبل کا دائرہ کار محدود ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ تم زمین اور آسمان کے کناروں سے نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔ یعنی زمین سے باہر کیا ہے، صرف وہی واقف ہو سکتا ہے جو نور سے واقف ہے۔ ایسے میں ہبل کی تصاویر کی کیا حقیقت ہے، اس پر انحصار کیا معنی رکھتا ہے، یہ دوربین خلا میں کہاں اور کس طرح نصب ہے — اور ہمیں کائناتی حقائق کا علم کیسے دے سکتی ہے۔ ہبل کی تصاویر پر تحقیق کر کے کیا وقت ضائع نہیں کیا جا رہا —؟

★ **آپ کا سوال ڈاکٹر نعیم ظفر صاحب کو بھیج دیا گیا ہے۔**

محمد عاشق (ایبٹ آباد): آج کی بات، فقیر کی ڈاک، نامے میرے نام، مرشد کی باتیں، اللہ میاں کے باغ

کے پھول، خواب اور تعبیر، باولی کھچڑی اور سرورق کی تشریح پسندیدہ سلسلے ہیں۔

احد علی خان (کراچی): جنوری 2017ء میں زاہدہ تبسم کے مضمون ''خلا کیا ہے'' میں تین زون نور، روشنی اور مادہ کا ذکر ہے۔ گزارش ہے کہ ان پر روشنی ڈالی جائے۔

''آج کی بات'' پر موصول شدہ تفکر اور سوالات میں سے چند درج ذیل ہیں:

نازیہ محبوب (فیصل آباد): قلندر شعور کے تمام مضامین دل چسپ، قابل تعریف اور علم کا خزینہ ہیں۔ خاص طور پر ''آج کی بات'' پڑھنے سے ذہن میں دریچے کھلتے ہیں۔ مطالعہ سے سمجھ میں آیا کہ کائنات میں ہر شے شعور رکھتی ہے اور سب کی بیس پانی ہے۔ پانی کے باطنی معنی پر غور کیا جائے تو پانی، روشنی ہے اور روشنی — نور ہے۔

سعدیہ (کراچی): مارچ 2017ء کے ''آج کی بات'' پر غور کر کے مجموعی مفہوم یہ سمجھ میں آیا کہ اگر طرز زندگی ان چیزوں سے منسلک ہے جن میں ردوبدل ہے تو ہم فکشن میں زندگی گزار رہے ہیں۔ یہاں تک کہ غیب ظاہر غیب میں بھی ہم ردوبدل دیکھ رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ردوبدل ہے یا ہم دیکھ رہے ہیں — ؟ جب کہ اللہ کی سنت میں تبدیلی اور تعطل نہیں ہے۔

سفینہ صدیقی (اسلام آباد): اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے نہ غم — سوال یہ ہے کہ اتنی پریشانیوں میں کوئی خوش کیسے رہے گا۔ محاسبہ کرنے سے زندگی کسی قدر آسان ہوجاتی ہے لیکن اگر گھر کا کوئی فرد ایسا ہے جو ماحول کو خراب کرتا ہے تو ایسے میں خود کو پرسکون کیسے رکھیں — ؟ جواب ضرور دیجئے گا، یہ ہر گھر کا مسئلہ ہے۔

★ **''ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ ماں باپ اسے عیسائی، مجوسی یا یہودی بنا دیتے ہیں۔'' (بخاری، مسلم)**

شبانہ بانو (اجتماعی تفکر): عظیمیہ روحانی لائبریری برائے خواتین، کورنگی میں فروری 2017ء کے ''آج کی بات'' پر اجتماعی تفکر کے نکات یہ ہیں۔ کائناتی سسٹم غیب ظاہر غیب کی بیلٹ پر مستقل رواں ہے۔ اگر غیب سے آنے والے لمحات رک جائیں تو کائنات کا نظام رک جائے گا۔ مثلاً اسپرم غائب نہ ہو اور اپنی شکل تبدیل نہ کرے تو بچہ ظاہر نہیں ہوتا۔ جب تک ایک دن کا اسپرم غیب سے ظاہر ہو کر واپس غیب میں نہ جائے تو نشوونما رک جائے گی۔ مظاہرہ کے لئے غیب ہونا ضروری ہے۔ مظاہرہ کے بعد غیب میں لوٹ جانا بھی ضروری ہے۔

راحت (فیصل آباد): آج کی بات میں دیئے گئے سوال پر پانچ منٹ غور کیا۔ بہت سے خیالات دیکھے۔ آہستہ آہستہ ماضی کے واقعات ذہن کی اسکرین پر آئے جیسے کالج کے دن، اسکول کے دن اور آخر میں بچپن کے کچھ دن نظر آئے۔ مگر کسی خاص خیال کی تصویر نظر نہیں آئی۔

مہوش مبین (فیصل آباد): آنکھیں بند کیں تو مختلف تصویریں سامنے آئیں۔ سب سے زیادہ خانہ کعبہ کو دیکھا۔

مارچ 2017ء کے شمارہ میں دیوار پر پانی پھینکنے کے تجربہ سے متعلق چند جوابات یہ ہیں:

ثمینہ مقصود (فیصل آباد): مارچ 2017ء کا شمارہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ سرورق ہمیشہ کی طرح انتہائی غور طلب ہے۔ صفحہ 52 پر پانی کے گلاس سے متعلق تجربہ کیا۔ کچھ نقش ونگار قابل فہم اور کچھ نا قابل فہم تھے۔ مسجد کا گنبد، طوطے کی شکل، سورج کی شعاعیں، قلعہ کی بارہ دری، درخت وغیرہ نمایاں ہیں۔ اس سے قبل دیوار پر تصویریں نظر آئیں نہ پانی میں۔ تجربہ سے کائناتی قانون سمجھ میں آیا کہ پروجیکٹر سے نکلنے والی روشنیاں اسکرین سے ٹکراتی ہیں تو نقش ونگار مظہر بنتے ہیں۔ یعنی نقش ونگار اسکرین پر نہیں، روشنیوں میں موجود ہیں۔

احمد نواز (اٹک): ہدایت کے مطابق ہم نے گلاس میں پانی دیوار پر پھینکا تو مندرجہ ذیل تصاویر نظر آئیں۔ (طلال احمد) بوڑھا آدمی جس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی، ہاتھوں کی انگلیاں۔ (کاشف حذیفہ احمد) دھواں، برف، ایٹم بم کا دھماکہ۔ (حاجرہ احمد) برف، چھت، جھولا، سیڑھیاں۔ (احمد نواز) بکھرے ہوئے ستارے، سورج، کہکشاں، پتھر۔

محمد اشفاق ندیم (فیصل آباد): کائنات میں ہر شے کی بنیاد روشنی ہے۔ قرآن کریم میں روشنی کے بہاؤ کو ''ماء'' کہا گیا ہے۔ مظاہرہ کے لئے اسکرین ضروری ہے۔ دیوار (اسکرین) سفید ہوگی تو پانی کے نقش ونگار بھی سفید نظر آئیں گے۔ دیوار رنگ دار ہوگی تو نقش ونگار رنگین ہوں گے۔ شے کو دیکھنا اسکرین کے موجود ہونے سے مشروط ہے۔

ارمینہ سلطان (کراچی): آسمان سے پانی کی شکل میں روشنیاں زمین پر بکھرتی ہیں تو انواع واقسام کی مخلوقات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ پوری کائنات زمین ہے۔ کیوں کہ ہر جگہ کسی نہ کسی شے کا مظاہرہ ہے۔ مظاہرہ اسکرین کے مطابق ہے۔ مٹی کی دنیا میں مٹی کی شکل میں مظاہرہ اور نور کی دنیا میں نور کا مظاہرہ اور تجلی کی دنیا میں تجلی کا مظاہرہ۔

رفعت بانو (فیصل آباد): باقاعدگی سے ''ماہنامہ قلندر شعور'' پڑھتی ہوں۔ پانی پر تفکر کیا۔ اللہ چھپا ہوا خزانہ تھا۔ اس نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو کائنات کو محبت سے تخلیق کیا اور ہر شے نور سے پیدا کی۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اللہ کے نور کی ایک صفت ''ماء'' ہے۔ پانی کا باطن روشنی ہے۔ روشنی دائروں میں سفر کرتی ہے۔ دراصل اطلاعات کے خفیہ کوڈز روشنی میں محفوظ ہیں۔ روشنی بہاؤ کی شکل میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہے اور اسکرین کے مطابق مظاہرہ کرتی ہے۔

طٰہٰ فاروق (بہاول نگر): توانائی نہ بنائی جاسکتی ہے نہ ختم ہوسکتی ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ازل سے موجود ہے۔ دس سال بعد کے واقعات بھی موجود ہیں لیکن ہم نہیں دیکھتے۔ جیسے نظر نہ آنے والی سیاہی مخصوص رنگ کی روشنی میں ظاہر ہوجاتی ہے۔ اسی طرح دیوار پر تصویریں موجود ہیں جو پانی پھینکنے سے نظر آئیں۔

اللہ ھو اللہ ھو

ایک شخص بہت محنتی تھا۔ صبح سویرے بیٹے اور بیٹی کو سائیکل پر بٹھا کر اسکول چھوڑتا اور وہاں سے کام پر چلا جاتا تھا۔ رات کو جب گھر واپس آتا تو بچے سو جاتے تھے اور بیوی انتظار کرتی تھی۔ وہ کھانا کھاتا اور سو جاتا تھا۔ ایک روز اس معمول سے اکتا گیا۔ سوچا کہ میں کیسی زندگی گزار رہا ہوں۔ صبح جاؤ، رات کو آؤ، کھاؤ پیو اور سو جاؤ۔ گھر اپنا ہے، دو پیارے بچے ہیں، اچھی بیگم ہے لیکن میں خوش کیوں نہیں ہوں؟ محسوس کیا کہ وہ روبوٹ ہے جس میں ہدایات نقش ہیں کہ اب کیا کرنا ہے اور کہاں جانا ہے۔ اردگرد لوگ مصروف رہتے ہیں لیکن وہ خوش ہیں۔ انہیں ہر دن نیا لگتا ہے۔ پھر میرے لئے ہر دن ایک جیسا کیوں ہے۔ صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے، عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے۔ وہ سوچتا تھا کہ کیا اللہ نے ہمیں کھانے پینے، سونے کے لئے پیدا کیا ہے؟ ہم سے اچھے تو جانور ہیں جنہیں ہماری طرح مزدوری نہیں کرنی پڑتی لیکن انہیں رزق ملتا رہتا ہے۔

دن گزرتے رہے لیکن بے چینی کم ہونے کے بجائے بڑھ گئی۔ ایک رات کھانا کھائے بغیر سونے چلا گیا۔ سوچتے سوچتے رات گزر گئی کہ کیا میں ساری زندگی اسی طرح گزار دوں گا۔ میں کہاں سے آیا ہوں؟ نیند میلوں دور تھی۔ ایک طرف کروٹ لیتا اور کبھی دوسری طرف۔ خاموشی میں صرف گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز تھی جیسے کہہ رہی ہو — ۱—۲—۱—۲۔ آواز سے اکتاہٹ ہونے لگی۔

اتنے میں فجر کی اذان سنائی دی لیکن وہ بستر سے نہ نکلا۔ آواز محلّہ میں گونج رہی تھی۔ جب موذن نے پڑھا— "حی علی الفلاح — حی علی الفلاح"

وہ چونک گیا۔ حی علی الفلاح کا مطلب ہے کہ فلاح کی طرف آؤ۔ سوچا اتنے دن سے میں نے نماز نہیں پڑھی، نماز پڑھ کے سکون مل جائے گا۔ مسجد کی راہ لی۔ نماز پڑھ کر گھر واپس آیا اور صحن میں بیٹھ گیا۔ ہر طرف خاموشی تھی— صحن میں لگے نیم کے درخت پر چڑیا کی چوں چوں کی آواز آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ متوجہ ہوا تو محسوس کیا کہ چڑیاں اللہ ھو اللہ ھو کہہ رہی ہیں۔ پتوں کی سرسراہٹ

میں سے بھی اللہ ھو کی صدائیں آنے لگیں۔ محسوس کیا کہ آوازیں دور دور تک پھیل رہی ہیں۔ ہوا — اللہ ھو اللہ ھو کر رہی تھی۔ کمرے کے باہر چھجے پر سے کبوتروں کی غٹرغوں میں بھی اللہ ھو سنائی دیا۔ وہ حیران پریشان کھڑا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا، لیکن وہ خواب نہیں تھا۔ درخت کے قریب گیا تو وہ بھی اللہ ھو کرتے ہوئے جھوم رہا تھا۔ گھر سے باہر اس کا پالتو کتا آنکھیں بند کر کے بیٹھا ہوا تھا، دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو ہلکی سی آنکھ کھولی۔ مالک کو دیکھ کر مطمئن ہو گیا اور آنکھیں بند کر لیں جیسے گہری سوچ میں گم غور کر رہا ہو۔

اس نے سوچا کہ تمام مخلوق اللہ کی عبادت کرتی ہیں اور ایک میں ہوں کہ سب کچھ ہونے کے باوجود اللہ سے شکایت کرتا ہوں۔ بہت شرمندہ ہوا۔ کانوں میں اللہ ھو اللہ ھو کی گونج تھی۔ درخت، چڑیا، گائے، پتھر، در و دیوار — لگتا تھا کہ پوری کائنات ایک ساتھ اللہ ھو اللہ ھو کا ورد کر رہی ہے۔ ان کے ساتھ مل کر اللہ ھو اللہ ھو کا ورد شروع کیا۔ ذہن میں تصور تھا کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ آج وہ دل سے اللہ کے حضور حاضر تھا۔

سورج کی شعاعیں پھیل چکی تھیں۔ ورد کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو آنکھیں پانی بن گئیں۔ اللہ سے معافی مانگی اور نعمتوں کا شکر ادا کیا۔ اب دل مطمئن تھا۔ سمجھ میں آ گیا تھا کہ سکون صرف اللہ کے ذکر میں ملتا ہے۔ کمرے میں آیا، بستر پر لیٹا — یہ کیا، گھڑی کی ١ — ٢ — ١ — ٢ اللہ ھو اللہ ھو میں تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ مسکرایا اور آنکھیں بند کر کے ترنم میں گھڑی کے ساتھ اللہ ھو کا ورد کرنے لگا۔

بچو! ہر آدمی اپنے ذہن کے مطابق بات سمجھتا ہے اور جیسی طرز فکر ہوتی ہے اسی حساب سے بات میں معنی پہناتا ہے۔ تین مسافر ایک ساتھ سفر کر رہے تھے۔ جنگل پہنچے تو تیتر کے بولنے کی آواز سنی۔ ان میں ایک پنساری تھا، کہنے لگا، تیتر کہہ رہا ہے لون تیل ادرک، لون تیل ادرک۔ دوسرا شخص مٹھائی فروش تھا، بولا نہیں، یہ کہہ رہا ہے دودھ ملائی، دودھ ملائی۔ تیسرا فرد صوفی تھا۔ اس نے کہا کہ تیتر بول رہا ہے — سبحان تیری قدرت، سبحان تیری قدرت!

بچو! آپ اللہ کے باغ کے پھول ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ گھڑی وقت بتاتی ہے لیکن گھڑی کی سوئیاں کچھ اور بھی کہتی ہیں۔ گھڑی کی ٹک ٹک کو غور سے سنیں اور لکھ کر بھیجیں کہ گھڑی کیا کہتی ہے۔

تین سوال

کسی بادشاہ کو سوالات پوچھنے کا بہت شوق تھا۔ ایک روز خیال آیا کہ اگر مجھے تین سوالوں کے جواب مل جائیں تو میں ہر مقصد میں کامیاب ہوں گا۔ سوالات نے سب کو مشکل میں ڈالا۔ وزرا، امرا اور مشیروں کی فوج سر جوڑ کر بیٹھ گئی۔ سلطنت میں منادی کرادی گئی کہ جو شخص سوالوں کے صحیح جواب دے گا، انعام ملے گا۔

۱۔ کام کو شروع کرنے کا صحیح وقت کون سا ہے؟

۲۔ کس وقت کس کی بات سننی چاہیے اور کس کو نظرانداز کردینا چاہیے؟

۳۔ سب سے اہم کام کون سا ہے؟

ہر شعبہ کے ماہر افراد بادشاہ کے پاس آئے ، سب نے مختلف جواب دیئے۔ کسی نے کہا کہ کام کو صحیح وقت پر کرنے کے لئے بندہ پہلے سے دنوں، مہینوں اور سالوں کا ٹائم ٹیبل بنائے ، اور مستقل مزاجی سے اس پر عمل کرے۔ کچھ لوگوں نے کہا، یہ ناممکن ہے کہ کام کرنے کا صحیح وقت معلوم ہوجائے۔ بعض نے کہا کہ اگر ایسا ہوجائے تو دنیا میں کبھی کسی سے غلطی نہ ہو۔ ایسے افراد بھی آئے جن کا جواب تھا کہ بادشاہ کے پاس سمجھ دار لوگوں کی ٹیم ہونی چاہیے جو فیصلہ لینے میں مدد کریں اور بتائیں کہ کام کو کس وقت کرنا چاہیے۔

دوسرے سوال کے جواب میں کہا گیا کہ بادشاہ کو سب سے زیادہ مشیروں کی بات ماننی چاہیے۔ کچھ نے کہا نجومیوں کی خدمات لینی چاہیے۔

تیسرے سوال پر بھی اتفاق نہ ہوسکا۔ بتایا گیا کہ دنیا میں اہم شعبہ سائنس ہے، کسی نے بتایا کہ جنگ لڑنے کا ہنر، کوئی بولا طب اور بعض نے کہا کہ حکومت کا نظام سنبھالنا اہم کام ہے۔ بادشاہ متاثر نہیں ہوا اور کسی کو انعام نہیں ملا۔

بادشاہ کو بتایا گیا کہ ایک بزرگ باقی رہ گئے ہیں جو صحیح جواب دے سکتے ہیں لیکن وہ جنگل میں رہتے ہیں اور امراء و بادشاہ سے نہیں ملتے۔ بادشاہ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ خود جا کر ملاقات کریں۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح سے بزرگ یہاں آجائیں۔

بادشاہ نے کہا، میں زبردستی کا قائل نہیں، خود وہاں جاؤں گا۔ حل یہ نکالا کہ سادہ کپڑے پہنے اور جنگل کی راہ لی۔ جھونپڑی سے دور گھوڑے سے اترا اور محافظوں کو وہیں رکنے کا کہہ کر اکیلے آگے بڑھا۔ حکم دیا کہ چاہے جتنا وقت لگے، جھونپڑی کے قریب کوئی نہیں آئے گا۔

وہاں پہنچا تو بزرگ جھونپڑی کے سامنے زمین کھودنے میں مصروف تھے۔ اجنبی کو دیکھ کر سلام کیا اور دوبارہ کام میں مشغول ہو گئے۔

بادشاہ نے کہا، میں آپ کے پاس تین سوالوں کے جواب پوچھنے آیا ہوں۔ کام کرنے کا صحیح وقت کیا ہے۔ وہ لوگ کون ہیں جن کی مجھے سب سے زیادہ ضرورت ہے اور کون سے معاملات زیادہ اہم ہیں۔

بزرگ نے اجنبی کی بات سنی اور جواب دینے کے بجائے کام جاری رکھا۔

تھوڑی دیر بعد بادشاہ نے کہا، آپ تھک گئے ہوں گے، میں مدد کر دیتا ہوں۔ آگے بڑھ کر کدال لیا۔ بزرگ نے شکریہ کہا اور کدال اجنبی کو دے کر ایک طرف بیٹھ گئے۔

دو گڑھے کھودنے کے بعد بادشاہ رکا اور سوال دہرائے۔ بزرگ نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں

دیا، کھڑے ہوئے اور کدال کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا کہ تھوڑی دیر آرام کرو اور مجھے کام کرنے دو لیکن بادشاہ نے بات نہیں مانی اور کھدائی کرتا رہا۔ ایک گھنٹہ گزرا پھر دوسرا یہاں تک کہ سورج ڈوبنے لگا۔

تھکن سے چور بادشاہ نے کدال کو مٹی کے ڈھیر میں پھنسایا اور بولا ــــ میں سوالوں کے جواب جاننے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ اگر جواب نہیں ہے تو بتا دیں۔

بزرگ نے کہا، میرا خیال ہے کوئی اس طرف آرہا ہے۔ بادشاہ مڑا اور دیکھا کہ ایک آدمی بھاگتا ہوا آرہا ہے۔ ہاتھ پیٹ پر تھا اور پیٹ سے خون بہہ رہا تھا۔ قریب پہنچا تو کمزوری کے باعث زمین پر

گر گیا۔ بادشاہ اور بزرگ جلدی سے آگے بڑھے، اس شخص کے پیٹ پر بہت بڑا زخم تھا۔

بادشاہ نے زخم کو تولیے کی مدد سے اچھی طرح صاف کیا اور رومال سے پٹی کی۔ خون بہنا رکا تو دونوں نے سکون کا سانس لیا۔ بزرگ کے اشارہ پر بادشاہ پانی لایا اور زخمی شخص کو پلایا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ زخمی آدمی کو بستر پر لٹا دیا گیا۔ بستر پر لیٹتے ہی وہ سو گیا۔ بادشاہ بھی دن بھر پیش آنے والے واقعات سے تھک چکا تھا اس لئے چوکھٹ کے قریب آنکھ لگ گئی —— صبح سورج کی کرنیں چہرہ پر پڑیں تو آنکھ کھلی۔ جاگنے پر یاد آیا کہ وہ کہاں ہے۔ دیکھا کہ بستر پر لیٹا شخص اسے بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔

مجھے معاف کر دیں، بادشاہ سلامت! زخمی شخص نے کم زور آواز میں کہا۔

بادشاہ نے جواب دیا، میں تمہیں نہیں جانتا اور معاف کرنے کی کوئی بات بھی نہیں ہے۔

زخمی شخص درد سے کراہتے ہوئے بولا، آپ مجھے نہیں جانتے لیکن میں آپ کو جانتا ہوں۔ میں آپ کا وہ دشمن ہوں جس نے بدلہ لینے کی قسم کھائی تھی کیوں کہ آپ نے میرے بھائی کی سزائے موت کا حکم دیا تھا اور جائیداد ضبط کر لی۔ میں جانتا تھا کہ آپ یہاں بزرگ سے ملنے جا رہے ہیں۔ لہٰذا فیصلہ کیا کہ واپسی میں قتل کر دوں گا لیکن دن گزر گیا اور آپ نہیں لوٹے۔ گھات لگائے بیٹھا تھا۔ جب آثار نظر نہیں آئے تو باہر نکلا۔ راستہ میں محل کے محافظوں سے سامنا ہو گیا۔ وہ مجھے پہچان گئے اور زخمی کر دیا۔ بچ کر بھاگ نکلا۔ خون بہنے سے مر جاتا اگر آپ نے مرہم پٹی نہ کی ہوتی۔ بدلہ کی آگ میں جل رہا تھا لیکن آپ نے میری زندگی بچائی۔

بادشاہ خوش ہوا کہ اتنے آرام سے دشمن سے صلح ہو گئی۔ اس نے معاف کر دیا اور وعدہ کیا کہ اس کی جائیداد لوٹا دی جائے گی۔

بادشاہ جھونپڑی سے باہر بیٹھے بزرگ کے پاس آیا۔ محل لوٹنے سے پہلے وہ ایک بار پھر کوشش کرنا چاہتا تھا کہ بزرگ جوابات دے دیں۔

بزرگ ان زمینوں میں بیج بو رہے تھے جو ایک دن پہلے کھودی گئی تھیں۔

بادشاہ نے کہا، اگر میرے سوالوں کے جواب آپ جانتے ہیں تو مجھے بتا دیں ورنہ میں اپنی راہ لوں۔

تمہیں جواب مل تو گئے ہیں۔ بزرگ نے کہا۔

بادشاہ نے کہا، جواب مل گئے ہیں؟ کیسے؟

بزرگ نے کہا، کیا تم نے غور نہیں کیا؟ اگر کل تم زمین کھودنے میں میری مدد نہ کرتے اور واپس چلے جاتے تو یہ آدمی تم پر حملہ کر دیتا۔

اس لئے سب سے اہم وقت وہ تھا جب تم زمین کھود رہے تھے۔ میں سب سے اہم آدمی تھا جس کے پاس تم رکے اور میرے ساتھ اچھائی کرنا تمہارا سب سے اہم کام تھا۔

اس کے بعد جب وہ آدمی ہمارے پاس بھاگتا ہوا آیا تو سب سے اہم وقت وہ تھا جب تم نے اس کی مدد کی۔ مرہم پٹی نہ کرتے تو وہ تم سے صلح کئے بغیر مر جاتا۔ اس لئے وہ سب سے اہم آدمی تھا اور تم نے اس کے لئے جو کیا وہ سب سے اہم کام تھا۔

یاد رکھو—! اہم وقت یہ لمحہ ہے جس میں ہم جی رہے ہیں کیوں کہ صرف یہی وہ گھڑی ہے جب ہمارے پاس طاقت ہوتی ہے۔ سب سے اہم شخص وہ ہے جس کے ساتھ تم موجود ہو کیوں کہ کوئی آدمی نہیں جانتا کہ اگلے لمحہ کیا ہوگا۔ اور سب سے اہم کام اچھائی کرنا ہے کیوں کہ صرف اس کام کے لئے آدمی کو اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔

بوجھیں تو جانیں

★ یہ دنیا فانی ہے
پتھر میں پانی ہے

★ جب بھی وہ میدان میں آئے
قدم قدم پر ٹھوکر کھائے
اچھلے کودے، دوڑے بھاگے
سب ہیں پیچھے، وہ ہے آگے

★ سوراخوں میں وہ رہتی ہے
خوب محنت کرتی ہے
ننھی منی چھوٹی سی
کاٹ اگر لے ہاتھی کو
تو جان سے ہاتھی اپنی جائے

★ کان پکڑ کے ناک پر بیٹھے
ناک چڑھی کہلائے
لوگ اسے آنکھوں پر بٹھائیں
اور وہ پھولے نہ سمائے

★ بزدل وہ ہے جس نے کھایا
بہادر وہ جس نے پی کر دکھایا

[illegible]

[illegible]

خواب تعبیر اور مشورہ

عمرہ کی سعادت

مسرت، بلدیہ۔ دو دفعہ روضہ مبارکؐ کے اندر گئی جہاں آب زم زم نظر آیا اسے دیکھ کر خوب روئی۔ گیٹ سے باہر گئی تو گندم، گنا اور کھجور کے باغات نظر آئے۔

تعبیر: الحمدللہ آپ کو روضہ رسولؐ کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ گندم اور کھجور کے باغ دیکھنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ سلسلہ کے قواعد وضوابط پر پوری طرح عمل نہیں ہوتا۔ انشاء اللہ آپ کو عمرہ کی سعادت حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضورؐ کے سب امتیوں کو یہ سعادت نصیب فرمائے، آمین۔

درود شریف

عاطف نذیر، لاہور۔ قیامت کا منظر ہے۔ بلڈنگ، گھر، درخت، پہاڑ، کاریں، ریل گاڑیاں غرض زمین پر موجود ہر چھوٹی بڑی شے بے وزن ہوکر خلا کی طرف جارہی ہیں۔ اچانک ایک فریم نمودار ہوتا ہے جس میں حضور نبی اکرمؐ کا نام مبارک لکھا ہوا ہے۔ فریم مزید بڑا ہوتا ہے اور عربی لہجہ میں کوئی زور سے ''محمدؐ'' کہتا ہے، پھر یہ آواز گونجتی رہی۔

تعبیر: خواب میں بشارت ہے کہ آپ کا درود شریف پڑھنا انشاء اللہ نہایت مبارک ثابت ہوگا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو، مجھے اور سلسلہ کے تمام بہن بھائیوں کو سلسلہ کے اسباق اور اغراض ومقاصد پر قائم رکھے۔ آمین۔

بازاری کھانے

محمد سلیم، کراچی۔ ایک بڑے کمپاؤنڈ کے قریب سخت چکنی مٹی میں دو گڑھے تیار کئے گئے ہیں جن میں سے ایک بڑا ہے اور اس میں بھینس جب کہ دوسرے گڑھے میں گائے مری ہوئی موجود ہیں۔ بھینس کی باڈی پھولی ہوئی دیکھ کر سوچتا ہوں، اسے یہاں کیوں ڈالا گیا ہے؟ کوئی خاتون کہتی ہیں ایک بزرگ نے آیت بتائی ہے، جو یاد نہیں رہی، اس سے کام مزید آسان ہوجائے گا۔ بزرگ کا نام سن کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔ پھر وہ خاتون کہتی ہیں، اس گڑھے کو بھرنے سے ایسی لہریں نکلیں گی جو انرجی پیدا کرنے میں معاون ہوں گی۔ یہ سن کر میری خوشی دو چند ہوجاتی ہے اور سوچتا ہوں کہ یہ بزرگ کتنے بڑے روحانی سائنس دان ہیں۔ پھر والدہ نظر آئیں وہ بھی خوش ہیں، انہیں سلام کرنے کے ساتھ مجھے خیال آیا، امی کا انتقال ہو چکا ہے۔ میں خواب سے بیدار ہوگیا۔

تعبیر: کھانوں میں عدم توازن، بازاری کھانے، اور عدم صفائی کی وجہ سے بیماری لاحق ہے۔ تدارک نہ کیا گیا

تو خدانخواستہ بیماری بڑھ سکتی ہے۔

عصمت جہاں، کراچی۔ تعبیر: آپ نے جو خواب دیکھا ہے اس کی مختصر تعبیر یہ ہے کہ دنیا بلکہ لاشمار دنیائیں موت و حیات کی بیلٹ پر رواں دواں ہیں۔ غیب سے زندگی ظاہر ہوتی ہے۔ موت اگر نئی زندگی ہے تو نئی زندگی موت ہے۔ اس بات کو اس طرح سمجھئے، اسپرم غیب حاضر، حاضر غیب کی بیلٹ پر ایک سفر ہے۔ مثلاً جو کچھ نظر آتا ہے اس کو حیات سمجھا جاتا ہے اور جو نظر نہیں آتا اسے غیب — یعنی ساری دنیا چھپنا ظاہر ہونا اور چھپنا ہے۔ بندہ بشر اور ہر مخلوق جس بیلٹ پر نظر آتی ہے اس بیلٹ پر تخلیقی عوامل تین طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ ا۔ چھپنا، ۲۔ ظاہر ہونا۔ ۳، چھپنا۔ تصوف کی اصطلاح میں غیب، شہود اور غیب۔ دنیا میں محدود نظر سے جتنے بھی عجائبات نظر آتے ہیں وہ جس راستہ پر چل رہے ہیں اس کے بھی تین رخ ہیں لیکن اہم بات یہ ہے کہ ابتدا بھی غیب ہے اور انتہا بھی غیب ہے۔ دو غیب کے درمیان ظاہر ہونا ہے۔ بچہ غیب سے ظاہر ہوا اور ظاہر غیب ہو گیا۔ غیب پھر ظاہر بنا اور غیب میں چھپ گیا۔ اول آخر، ظاہر باطن کیا ہے؟ ابتدا مظاہرہ اور پھر ابتدا — غیب کا ظاہر ہونا اور ظاہر غیب میں چھپ جانا۔

آسان الفاظ میں اس طرح سمجھئے کہ شے غیب سے ظاہر ہوئی اور ظاہر غیب میں چھپ گیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ زندگی ایک دفعہ ظاہر ہوتی ہے اور دو دفعہ چھپ جاتی ہے، بالآخر جس طرح غیب سے ظاہر ہوئی تھی اسی طرح ظاہر غیب ہو گیا۔ یہ صرف آدمی نہیں اربوں کھربوں مخلوق اس بیلٹ پر متحرک ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے غیب ظاہر، ظاہر غیب زندگی بنتی رہے گی۔ یوں سمجھئے کہ وصال غیب ہے حیات ظاہر ہے، حیات غیب ہے تو وصال ظاہر ہے۔ آپ نے جو کچھ خواب میں دیکھا ہے وہ حیات و ممات کی تشریح ہے۔ غور سے پڑھئے، بار بار پڑھئے، بات سمجھ میں آجائے گی۔

ڈوبے ہوئے گھر

ا۔ ح، اٹک۔ دیکھا گھر کے پاس ریلوے لائن کے قریب موجود ہوں۔ کسی شخص سے کہتا ہوں، آؤ پانی میں ڈوبی ہوئی بستیاں دکھاؤں، یہ کہہ کر ریلوے لائن کے اوپر چڑھ جاتا ہوں۔ قریب کے گھر پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور پانی میرے پاؤں تک آرہا ہے۔

تعبیر: خواب مستقبل کے بارے میں نشان دہی ہے جو اچھے حالات ظاہر نہیں کرتا۔ اجتماعی طور پر ہمیں اپنی عادات و اخلاق کا محاسبہ اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ استغفار و دعا کرنی چاہئے۔

قواعد وضوابط اور اغراض ومقاصد

صبا ناز، ملیر۔ میرے گھر میں کرسی پر مرشد تشریف فرما ہیں۔ میں ان سے باتیں کرتی اور کچھ پوچھتی ہوں مگر کوئی بات یاد نہیں۔ کچھ دیر بعد مرشد تشریف لے گئے۔

تعبیر: مرشد کو خواب میں دیکھنا، باتیں کرنا، سوال جواب کرنا اور یاد نہ رہنا اس طرف اشارہ ہے کہ اسباق میں اتنی دل جمعی نہیں ہے کہ یک سوئی حاصل ہو۔

تعلق خاطر ہے لیکن سلسلہ کے قواعد و ضوابط اور اغراض و مقاصد پر عمل نہیں ہے۔ اسکول، کالج، یونی ورسٹی علوم حاصل کرنے کے مراکز ہیں۔ اگر قواعد و ضوابط پر عمل نہ کیا جائے تو شاگرد تعلیم حاصل نہیں کرسکتا۔ تمام سلاسل روحانی علوم سیکھنے کے لئے اسکول کالج کے قائم مقام ہیں۔ سلسلہ کے اغراض و مقاصد اور قواعد وضوابط یہ ہیں:

۱۔ صراطِ مستقیم پر گام زن ہوکر دین کی خدمت کرنا۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل کرکے آپؐ کے روحانی مشن کو فروغ دینا۔

۳۔ مخلوقِ خدا کی خدمت کرنا۔

۴۔ علم دین کے ساتھ ساتھ لوگوں کو روحانی اور سائنسی علوم حاصل کرنے کی ترغیب دینا۔

۵۔ لوگوں کے اندر ایسی طرز فکر پیدا کرنا جس کے ذریعے وہ روح اور اپنے اندر روحانی صلاحیتوں سے باخبر ہوجائیں۔

۶۔ تمام نوع انسانی کو اپنی برادری سمجھنا۔ بلاتفریق مذہب وملت ہر شخص کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور حتی المقدوران کے ساتھ ہم دردی کرنا۔

سلسلہ عظیمیہ کے تمام دوستوں کو حسب ذیل احکامات پر پابند رہنا ضروری ہے:

۱۔ ہر حال اور ہر قال میں اپنا روحانی تشخص برقرار رکھیں۔

۲۔ چھوٹے اور بڑے کا امتیاز کئے بغیر سلام میں پہل کریں۔

۳۔ اللہ کی مخلوق کو دوست رکھیں۔

۴۔ سلسلہ میں رہ کر آپس میں اختلاف سے گریز کریں

۵۔ شیخ کی ہدایت پر بلا چون وچرا عمل کریں۔

۶۔ کسی بھی سلسلہ کے مقابلہ میں اپنے سلسلہ کو برتر ثابت نہ کریں اس لئے کہ تمام راستے اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔

۷۔ سلسلہ میں جو شخص گند پھیلانے یا منافقت کا سبب بنے، اسے سلسلہ سے خارج کردینا چاہئے۔

۸۔ ذکر وفکر کی جو تعلیم اور ہدایت دی جائیں ان پر پابندی سے عمل کریں۔ مراقبہ میں کوتاہی نہ کریں۔

۹۔ قرآن پاک کی تلاوت کریں، معنی ومفہوم پر غور کریں۔

۱۰۔ صلوٰۃ (نماز) میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط قائم کریں۔

۱۱۔ کسی دوسرے سلسلہ کے طالب علم یا سالک کو سلسلہ عظیمیہ میں طالب کی حیثیت سے قبول کیا جاسکتا ہے۔

۱۲۔ جو شخص پہلے سے کسی سلسلہ میں بیعت ہو اسے سلسلہ عظیمیہ میں بیعت نہ کریں۔ یہ قانون ہے کہ ایک شخص دو جگہ بیعت نہیں ہوسکتا۔

۱۳۔ سلسلہ عظیمیہ سے بیعت حاصل کرنے کے بعد نہ تو بیعت توڑی جاسکتی ہے اور نہ ہی کوئی فرد اپنی مرضی سے فرار حاصل کرسکتا ہے۔ اس لئے بیعت کرنے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ جو شخص سلسلہ میں داخل ہونا چاہتا ہے اس سے کہا جائے کہ پہلے خوب اچھی طرح دیکھ بھال کرلی جائے۔

۱۴۔ سلسلہ عظیمیہ کے ذمہ دار حضرات پر لازم ہے کہ وہ کسی کو اپنا مرید نہ کہیں، ”دوست“ کے لقب سے یاد کریں۔

۱۵۔ سلسلہ کا کوئی صاحب مجاز مجلس میں گدی نشین

ہو کر نہ بیٹھے۔ نشست و برخاست عوام کی طرح ہو۔

۱۶۔ نوعِ انسان میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب آپس میں آدم کے ناتے خالقِ کائنات کے تخلیقی راز و نیاز ہیں۔ آپس میں بھائی بہن ہیں—نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔ بڑائی صرف اس کو زیب دیتی ہے جو اپنے اندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اللہ کی صفات کے سمندر کا عرفان رکھتا ہو۔ جس کے اندر اللہ کے اوصاف کا عکس نمایاں ہو، جو اللہ کی مخلوق کے کام آئے۔ کسی کو اس کی ذات سے تکلیف نہ پہنچے۔

۱۷۔ شک کو دل میں جگہ نہ دیں۔ جس فرد کے دل میں شک جاگزیں ہو وہ عارف نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ شک شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ روحانی قدروں سے دوری، آدمی کے اوپر علم و آگہی اور عرفان کے دروازے بند کر دیتی ہے۔

۱۸۔ مصور تصویر بناتا ہے پہلے وہ خود اس تصویر کے نقش و نگار سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ مصور اپنی بنائی ہوئی تصویر سے اگر خود مطمئن نہ ہو تو دوسرے کیوں کر متاثر ہوں گے۔ نا صرف یہ کہ دوسرے لوگ متاثر نہیں ہوں گے بلکہ تصویر کے خدو خال مذاق کا ہدف بن جائیں گے اور اس طرح خود مصور بے چینی، اضطراب و اضمحلال کے عالم میں چلا جائے گا۔ ایسے کام کریں آپ خود مطمئن ہوں، آپ کا ضمیر مردہ نہ ہو جائے اور یہی وہ راز ہے جس کے ذریعے آپ کی ذات دوسروں کے لئے راہ نمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

۱۹۔ ہر شخص کو چاہئے کہ کاروبارِ حیات میں مذہبی قدروں، اخلاقی اور معاشرتی قوانین کا احترام کرتے ہوئے پوری پوری جدوجہد اور کوشش کرے لیکن نتیجہ پر نظر نہ رکھے۔ نتیجہ اللہ کے اوپر چھوڑ دے۔ اس لئے کہ آدمی حالات کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ حالات جس طرح چابی بھر دیتے ہیں آدمی اسی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ بے شک اللہ قادرِ مطلق اور ہر چیز پر محیط ہے وہ جب چاہے اور جس طرح چاہے حالات میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ معاش کے حصول میں معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی قدروں کا پورا پورا احترام کرنا ہر شخص کے اوپر فرض ہے۔

۲۰۔ تم اگر کسی کی دل آزاری کا سبب بن جاؤ تو اس سے معافی مانگ لو، قطع نظر اس کے کہ وہ تم سے چھوٹا ہے یا بڑا اس لئے کہ جھکنے میں عظمت ہے۔

۲۱۔ تمہیں کسی کی ذات سے تکلیف پہنچ جائے تو اسے بلا توقف معاف کر دو اس لئے کہ انتقام بجائے خود صعوبت ہے۔ انتقام کا جذبہ اعصاب کو مضمحل کر دیتا ہے۔

۲۲۔ غصہ کی آگ پہلے غصہ کرنے والے کے خون میں ارتعاش پیدا کرتی ہے اور اس کے اعصاب متاثر ہو کر اپنی انرجی (Energy) ضائع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نوعِ انسانی کے لئے کسی قسم کے بھی نقصان کو پسند نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''جو لوگ غصہ پر قابو پا لیتے ہیں، اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔''

یاد رکھئے! شمع پہلے خود جلتی ہے اور جب وہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ آگ کی نذر کر کے خود کو فنا کر دیتی ہے تو اس ایثار پر پروانے شمع پر جاں نثار ہو جاتے ہیں۔

جائیداد

شبانہ شیخ، کراچی۔ دیکھا ہے کہ نانی وفات پا چکی ہیں، ان کا دھڑ، اللہ معاف کرے، عذاب میں مبتلا ہے۔ مجھ سے باتیں کرتی ہیں پھر ابو (مرحوم) کو دیکھا کہ وہ بہت اداس ٹیک لگائے بیٹھے ہیں اور مجھ سے ناراض ہیں۔ مجھے خواب یاد نہیں رہتے مگر یہ خواب میرے ذہن سے چپک گیا ہے۔

تعبیر: نانی اماں کوئی جائیداد چھوڑ کر گئی ہیں۔ کیوں کہ تقسیم صحیح نہیں ہوئی اس لئے وہ اعراف میں پریشان ہیں۔ والد صاحب کی ناراضگی ظاہر کرتی ہے کہ ان کو آپ سے جو امیدیں وابستہ تھیں اور ہیں وہ پوری نہیں ہوئیں۔ ایصال ثواب یا جو کچھ وہ زندگی میں چاہتے تھے اس کو پورا کر دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قبر کی تکلیف سے محفوظ رکھے، آمین۔

سر میں جوئیں

ن۔ح، پشاور۔ باڑے میں روئی کی ٹوٹی ہوئی گڑیاں تھیں، ایک واقف کار موجود ہیں، تھوڑی دیر بعد ان کی کسی جانور سے لڑائی ہوگئی۔ جانور دیکھتے ہی مجھ پر وحشت طاری ہوگئی۔

اچانک وہ شخص غائب ہوگیا اور جانور نے میرے اوپر حملہ کردیا، اس کی ناک چونچ سے ملتی جلتی تھی۔ میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر نقصان پہنچانے کی

ماہنامہ قلندر شعور مئی 2017

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:............................... والدہ صاحبہ کا نام: ....

پورا پتہ:..

ازدواجی حیثیت:........................ وزن (تقریباً): .... آنکھوں کا رنگ.........................

نیند کیسی آتی ہے:..................... بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):.................. تاریخ پیدائش:..........................

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.................................. فون نمبر..........................

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : ....

....

کوشش کررہا تھا لیکن میں اپنے آپ کو بچارہی تھی۔ جب میں اس سے اپنے آپ کو چھڑا نہیں سکی تو منہ سے نکلا، یااللہ! مجھے شیطان سے بچا۔

تعبیر: صاحب خواب وسوسوں میں گھری رہتی ہیں۔ لگتا ہے کہ خیالات میں پاکیزگی کم اور وسوسوں کا عمل دخل زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اس کی وجہ نمک کی زیادتی بھی ہوسکتی ہے۔ Low BP نہ ہوتو 21 روز تک نمکین چیزیں نہ کھائیں۔ سر کے بالوں کی صفائی، غسل کرنا اور صاف دھلے ہوئے سفید کپڑے پہننا آپ کے لئے مفید ہے۔ انشاء اللہ میں فقیرعظیمی دعا کروں گا۔

جسے ملے یوں وہ کرے کیوں

جواب: بھائی محمد یونس صاحب، بڑے کاغذ کی تقریباً 100 سطروں میں لکھا ہوا خواب نامہ ملا۔ اتنا طویل خواب نامہ ذہنی فلم ہے جس میں دنیا کے مختلف مسائل لکھے ہوئے ہیں اور آپ نے ان سب کو خواب لکھا ہے۔ مختصر یہ ہے، جو کچھ دیکھا خواب تھا اور جو سنا افسانہ تھا۔ یہ کارنامہ وہ صاحب انجام دے سکتے ہیں جن کی کوئی مصروفیت نہ ہو۔ قلندر شعور کے کارکنان کی مصروفیت کا حال یہ ہے رات کے 12 بجے بھی ایک دن کا کام پورا نہیں ہوتا۔ آپ خوش رہیں اور عمل کریں۔

شیر اور شوہر

صبا کے شوہر کا ظلم سن کر سلمیٰ اپنی دوست کو ایک بابا کے گھر لے گئی۔ سلمیٰ نے بابا سے کہا، حضرت! یہ بے چاری شوہر کے ظلم کا شکار ہے۔ بابا نے کہا، شیر کی ناک کا بال چاہئے۔ صبا بے یقینی سے دونوں کو دیکھنے لگی۔ بابا نے کہا، میں مدد کروں گا، چڑیا گھر تک جانا ہوگا۔ شیر کے نام سے وہ تھر تھر کانپ رہی تھی مگر سلمیٰ اور بابا کے دلاسا دینے پر راضی ہوگئی۔ تینوں چڑیا گھر میں شیر کے پنجرہ تک پہنچے تو وہ دھاڑا، صبا کی چیخ نکل گئی۔ بابا نے کہا، ڈرو نہیں گوشت ڈالو۔ راستہ سے خریدا ہوا گوشت پنجرہ میں ڈال کر صبا پیچھے ہٹ گئی۔ بھوکا شیر گوشت کھا گیا۔ چند روز تک تینوں آتے اور شیر کو گوشت کھلاتے۔ ایک دن بابا کے کہنے پر صبا دور جانے کے بجائے جب تک شیر گوشت کھاتا رہا، قریب کھڑی رہی۔ چند دن اسی طرح گوشت کھلایا تو شیر صبا سے مانوس ہوگیا۔ ایک دن ہمت کر کے صبا نے شیر کے سر پر ہاتھ پھیرا تو شیر میٹھی میٹھی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ اب صبا اکیلی آتی، شیر کو گوشت کھلا کے سر پر ہاتھ پھیرتی اور چلی جاتی۔ ایک دن صبا نے شیر کی مونچھ پر ہاتھ رکھ کر کہا، ایک بال لے لوں، اور بال توڑ کر دوڑتی ہوئی بابا کے گھر گئی۔ ہانپتے کانپتے ان کے سامنے شیر کی مونچھ کا بال رکھ دیا۔ بابا مسکرائے اور کہا، سمجھیں —؟ اس نے کہا نہیں۔ بابا نے کہا، ارے بیٹا! پیار سے تو شیر بھی دوست بن جاتا ہے۔

LAVISH Dine

Restaurant

Diversity of Style In Cuisine & Service

FL-5 & 6, Gulshan-e-Jamal, Rashid Minhas Road, Karachi.
Tel: 021-34601406 Fax: 021-34570428
E-mail: lavishdinerestaurant@gmail.com

SEARLE

CANDEREL

کینڈرل

پھیلائے دنیا بھر میں مٹھاس لو کیلوری کے ساتھ

30 سال سے زائد عرصے سے دنیا بھر میں ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں **کینڈرل** چینی جیسی مٹھاس شامل کر رہا ہے وہ بھی معمولی سی کیلوری کے ساتھ۔ **کینڈرل** بلڈ گلوکوز لیول پر بھی کوئی اثر نہیں کرتا ہے۔ اگر آپ ذیابیطس کے مریض ہیں جو زندگی میں مٹھاس لانا چاہتے ہیں یا آپ اپنے وزن کی خاطر روز میٹھے سے نظر چراتے ہیں تو اب آپ کی مشکل ہوئی آسان۔۔۔ **کینڈرل** کے ساتھ

STARCREST

direction it was raining with the luminance of subtle light (*Noor*). Wherever I cast my eye there was *Noor* everywhere. What were the angels of this realm? They were in fact moving bodies of *Noor*. My eyes would become dazzled by them. A few of the awaiting angels stepped forward and made me aware of the status, rank, and the rules of respect and honour of the angels of the seventh heaven. A little further a specific group of angels received and welcomed me and told me about the Divine Message, which was, that I being in the position of a teacher should benefit the angels of the seventh heaven of my knowledge and wisdom. This is because the angels of the seventh heaven had submitted their application to the Lord God for me to be brought here as a guest.

And thus I became engrossed in the teaching of the angels delivered my lectures to them. This situation continued for quite some time. I will admit one more thing; at this point I had become accustomed to receiving this sort of respect and honour. For this reason, I did not feel the need to give a deep thought to my extraordinary and magnificent advancement and rise in fortune. Furthermore, the opportunity to give any thought to the matter did not arise, but in my own mind I thought that the purpose of my creation was solely for the service and worship of the Lord Creator, and in accordance to His wishes I was doing my duty in teaching and lecturing the angels.

The Garden of Paradise

May the Lord God return the goodwill and worthy favour to my brother Rizwan who is the custodian of the Paradise; he too never let me remain on the seventh heaven in peace. He had his application approved by the Lord and had the rug pulled from under my feet and had this order delivered that I should get myself to the garden of Paradise as quickly as possible and benefit the habitants of the heaven with my knowledge.

In carrying out my services of teaching and in complying with the orders of the Lord, I did not get any rest so that I could distinguish between Paradise and the seventh heaven, nor could I give precedence to one over the other. The command was to go to Paradise and fulfil the wishes of the habitants, I did not have the authority to refuse, nor did I have the courage to affirm and accept. Hence grief stricken and with sorrow I left my friends in the seventh heaven and went in to Paradise.

Upon entering Paradise its custodian greeted me with a cheerful face. In saying so and on the face of it he appears to be a servant who is serving his duties in Paradise, but if you ask me the truth is that he leads a very easy and a very enjoyable life. His life is spent in such comfort and harmony that to date no example of this can be found on earth.

Continue…

V tions in return, and their devotion in the act of worship glorified

The Fourth Heaven

My yearning for remaining on the third heaven wasn't yet completely satisfied that the flame of attraction was lit in the arteries of the angels of the fourth heaven, and they too requested that Azazeel should be given the opportunity to live in their heaven for a few days too so that they could also be blessed by his virtuous teachings. Thus by the Holy Command I had to go to the fourth heaven. What did I witness here? This is a very closely guarded secret and I do not have the permission to reveal anything about it. As well as meeting the angels of this heaven I had the great fortune to meet with some very famous souls. However, I quickly got busy in the purpose for which I brought to the fourth heaven. The angels were very hospitable towards me and I worked very hard in imparting them special knowledge when the order for me to go to the fifth heaven was given. Again heavy hearted I had to leave and I was transferred to the fifth heaven.

The Fifth Heaven

When I arrived here I felt as if the angels had been trying to get me to come here for quite some time now and finally the Lord Creator had accepted their request and bought me here. The glory of this heaven was extraordinary. Wherever I looked everything was in the state of worship. I too became engrossed and absorbed in worship. From time to time the gatherings for my lectures took place and by my arrivals the passion for worshipping the Almighty God in the angels increased many fold. By seeing my example, the angels increased their devotion somewhat more and it wasn't long before the Holy Command for me to go to the sixth heaven came. And so by saying goodbye to my friends I came up to the sixth heaven.

The Sixth Heaven

Such was the greatness of the splendour of this heaven that I wish that I was given one more opportunity to go back. There was a time when I was governing the sixth heaven and all the angels were obedient to me, but today the situation is such that I long to have one more glimpse of that spectacle. The angels of this heaven were ever so noble hearted and hospitable. When I think of the past and remember that I had to be deprived of such an abode that resembled Paradise, then my heart rises up to my mouth. I had been resident on this heaven for only a short time when I was told that the Command had been given to me to present myself on the seventh heaven. By shedding tears of gratitude for the sincere affection that I received, I set off for the seventh heaven.

The Seventh Heaven

Fearful and frightened, and with utmost respect and humility I reached the seventh heaven. In every

iv and my guidance. When I heard this news I replied that I would indeed teach them all that which I was versed with and that they were more than welcome to attend my gatherings and my lectures here in the first heaven. However, I was told that the angels of the second heaven had no authority to descend to the first heaven.

Thus by the Order of the Lord I was taken up to the second heaven. The angels of the first heaven were full of regret because of my transfer and from being separated from them; however, before I departed I addressed them by advising them that we are all obliged to bow and submit before the Command of the Lord as we are ordained, and this is our nature too.

The angels were satisfied by my advice and by leaving behind my beloved colleagues in a state of sorrow and distress I came on to the second heaven.

The Second Heaven

When I arrived on to the second heaven the angels greeted me with a lot of respect and honour. They told me that they all had put the request in the Court of the Holy Creator and had it approved to get me to come here.

"It would be very good if we too can learn something from your life achievements and experiences" the angels requested. "The sermons and lectures that you conducted on the first heaven would be appropriate for us here too".

To their request I replied:

"Dear friends I am here to serve you at all times"

And so those educational affairs that took place on the first heaven, started to be conducted here on the second heaven too. The situation remained so for a period of time when the angels of the third heaven felt the desire for my services. And like before with a heavy heart and great sorrow I had to say goodbye and depart company from my dear friends of the second heaven. The innocent eyes and sadness by which my beloved colleagues looked at me was like arrows piercing my heart and I feel the effects of this separation to this date.

The Third Heaven

The splendour of the first heaven was such that I wish that I had the ability to describe it to you. However, when I got to the second heaven the glory was so spectacular that upon seeing it I almost forgot about the first heaven. But the third heaven left me completely bewildered and stunned. How magnificent was the atmosphere? Only I know.

I began the same system of sermon and preaching here too. The gathering of the angels and my lectures took place every day, and a countless number of angels would participate. I held this place precious in my heart and so I taught my dear ones with full passion and enthusiasm. They too acted upon my teachings without any expecta-

iii In the early stages it was the angels who taught and educated me. They taught me different types of knowledge. Frequently they taught me mysteries of the heavens and their particular events in detail. They enlightened me about the Honour, Rank and Grandeur of the Lord Creator, and gave me an understanding of the methods of worship and devotion.

They taught me the rules and laws operative in the heavens. When with the help of my sharp mind and my powerful memory I had learnt everything from the angels, then those very angels (most probably subjected by the Command of the Lord) began to seek help from me in matters regarding the Exalted Knowledge. Step- by- step by using my abilities I became the complete teacher of the angels. I was now in that position that once was of the angels before my eyes, and that very day came that they all in all felt honoured of being my students.

Allah! Allah! How does Nature present its miracles, it grants esteem to one individual and then to another. It has always been the custom of Allah that He keeps His Judgement and His Intentions at a distance to anyone else and He does whatever He intends to do without anyone else ever having any prior knowledge of His Divine Plan. He grants honour to whoever He chooses and brings shame and dishonour to whom He chooses. Whoever is lead astray from the Straight Path, there is no power that can bring that individual to the Correct Path, and to whomever He gives the Key to the Straight Path then there isn't any power possible that can lead him astray.

In this present day and age, it is the same custom of Allah that continues. In the Holy Quran He states over and over again that He gives honour to whomever He chooses and brings disgrace to whomever He chooses, there is no one else authorised to give advice.

The First Heaven

My enthusiasm and passion of worship and devotion to the Lord was at its highest peak, and the gathering of my sermon and preaching took place on a daily basis here on the first heaven. The angels of the first heaven had learnt a lot by attending my school and by listening to my lectures. I became attached to them all too. I began to feel as if I was one of the angels

All my colleagues used to whisper amongst each other as to how fortunate they all were because for their education and training the Lord God had granted them a capable teacher such as Azazeel. I was also aware of the views that the angels held about me.

Then suddenly one day I was told that the angels of the second heaven would like my companionship too and that they had the desire of benefitting from my advice

ii knowledge on this earth. They poured money on my educational needs as if it were merely water. Only then did I become such a being, worthy of living on this humble mother earth”.

Have you witnessed the humility of the human in that he says everything? After gathering every colour how he says it with such a dry face that ‘only after all this he became worthy of living on this humble earth’! Also with this blasphemous event he says that his parents were proud of him and were full of praises. And so it is the conception of man that if after committing a blasphemous act, if he is forgiven or pardoned and if he is to blame, then man thinks that the individual has shown an act of love and that he has been praised.

However, let us not dwell on this too much, as I was saying, in my childhood only the Lord knows why I was so blasphemous. One is supposed to show a certain degree of courtesy and respect to one’s parents but I didn’t possess a hundredth of the amount of respect that one should have for his parents. It is my thinking that one of the major factors of me being dishonoured is the sheer disrespect that I had for my parents, which coupled with other big motives became the means of me excelling in disgrace and humiliation.

The mankind of the present age thinks that I reached this state of dishonour by simply refusing to bow once, but I know that even if I had bowed down then, this would have only provided a cover over my sinful acts for a few more days. It was by the endorsement of the Almighty Lord that I was made infamous as an enemy of mankind and that I be disgraced so that the curse of shame should shower on me until the day of Judgement.

The Habitation of the Heavens

I was passing through the prime stage of my life and it was at this very time that the battle commenced, and I have already narrated the details of the events that took place. It was in this battle that my parents along with countless individuals of my nation perished, and with it the fourth phase of life on earth too came to an end. The angels took me prisoner and with the permission of the Holy Creator they bought me up to the sky.

For the safe guarding of my life I was extremely delighted, but in hindsight it would have been much better if I too had deceased in this battle alongside with the individuals of my nation. Rather than living a disgraced life, death would have been a thousand times better. However how was I to know at that time that my future life would play such acts of shame and dishonour with me? At that time, I thought only this one thing that my life has been saved and now I would spend the rest of my life in harmony and in the company of the angels.

i

Autobiography of the Devil (Iblees)

How was I to know at that time that my future life would play such acts of shame and dishonour with me? At that time, I thought only this one thing that my life has been saved and now I would spend the rest of my life in harmony and in the company of the angels.

The Early Period of My Life

I have already explained to you that I was born 140,000 years after the world began, and at the time of the destruction on earth I was 282 years of age. Of this short age period I can remember that my father had me educated by his good friend whose name was Sarbooq. My mind was very sharp and in a short period of time I began to excel in the field of knowledge. Many jinn became jealous of my abilities and they began to spread malicious rumours about me saying that Azazeel (Azazeel is my tribal name) is a very arrogant and self-obsessed young man who displays traits of his mother and father. His father has features of a lion so he is very rebellious and self-possessing; whoever is attacked by him cannot survive. And because his mother has features which resemble a she-wolf, for this reason he is selfish, cunning, fraudulent and deceitful.

It may be quite possible that I possess such attributes in my personality, or it could be that envious individuals from my nation made these rumours popular because they were jealous of me. However, it is certainly true that as a child I was very stubborn. It wasn't apparent to me at that time, but today out of my own experience I have to accept that I had digressed from obedience to my own parents. As well as being disobedient, it is also a fact that I was always blasphemous in my attitude towards my parents. They on the other hand were always kind hearted, pardoning and forgiving towards me. There were times when I threatened my father in a vile fashion as if he was a low class servant worker, but in turn he always responded to me in a compassionate and soft hearted manner.

At this point the human historians and biographers should make note of the freedom by which I am writing about my bad virtues. If it was a human in my place, then in his childhood such acts of blasphemy would never have occurred and he would have narrated these events in words something like this:

"In my childhood my honourable parents loved me dearly and they did not let a moment go past without praising me. They were especially concerned about my education and my personal development. As a consequence, they made me become a master of every language and every kind of

ii crop grows accordingly. The laws of action and reaction, and of movement and consequences are described by the Holy Prophet (PBUH), in the following words: "This world is where one cultivates for the hereafter."

So great is the discrepancy between words and deeds that although each person knows and says that time on earth is brief and limited, they spend their entire life in a manner that goes against this unshakeable law of nature: their actions are not consistent.

Humans call mischief progress and then in the name of human welfare, create an unpleasant future. What they do in the name of being broad-minded is in fact being short sighted in the worst of ways: it is a powerful illusion they have created for themselves. They sing praise of their superior capabilities by referring to the atom bomb as progress and development.

No one ponders on the fact that those who have claimed human welfare have actually given more preference to a bomb over hundreds and thousands of precious lives. There are hundreds of atomic bombs on this planet, and innumerable nuclear weapons, all at the ready, waiting for a trifle excuse. Have they been created for construction and for the welfare of the inhabitants of earth? How can something that invites terror, and the loss of precious lives ever be progress and development? It was 'progress' and 'development' that killed and maimed hundreds of thousands of people in Nagasaki and Hiroshima.

Humans are the trustee of abilities bestowed by God, but by being confined in their selves, they use those abilities to satiate their desires of selfishness, boastfulness and vanity. As a result, their entire focus remains on the material aspects of life, and the foundation of their actions becomes mortal, like the mortal world they live in.

Thus, when they sow the world, they must reap the world too. However, since this world is mortal, they only secure themselves a share of mortality, and deprive themselves of an eternal life that is filled with peace and joy.

"He is the One who made the earth a bed for you, and the sky a roof, and sent down water from the sky, then brought forth with it fruits, as a provision for you. So, do not set up parallels to Allah when you know." (Quran, 2:22)

"Do not search for heaven and hell in the future. Both are currently present. Whenever we manage to love without expectations, calculations, or negotiations, we are in fact in heaven. And whenever we fight and hate, we are surely in hell."

Hazrat Shams Tabrezi (RA)

i

The Vicegerent

So great is the discrepancy between words and deeds that although each person knows and says that time on earth is brief and limited, they spend their entire life in a manner that goes against this unshakeable law of nature: their actions are not consistent.

The changes that have come about on earth can bear witness to the fact that in all intervals of life, the rise and fall of nations and eras as well as sciences, are all secure within the heart of the earth. The earth is aware of the number of civilizations that have appeared from its womb, and aware of those that are now extinct.

Peering into the vastness of the heavens beyond space, we see nothing but disappointment, failure and mental destitution. It seems that by looking at the self-evasiveness and negative behaviour of the inhabitants of the earth, the flame of hope that once burned in the stars, and their twinkle in the blue skies have dimmed.

Humans – who claim to be *Ashraf-ul-Makhlooqat* (Best of the Creatures) – are living a life worse than beasts. They do not possess even an iota of peace enjoyed by a cat or goat.

The Creator, who is the best among all creators, has made this earth suitable for agricultural purposes and has entrusted it to humans so that they may rest upon it and sleep peacefully. That is why the apparent body of creation is made of *clay*, and from *clay* are all the things they use originated. God has not made the earth so hard that one may not be able to walk upon it, and has not made it so soft that one may sink into it.

Humans have the authority to exploit the earth and utilise the rays running within it according to their wishes. Just how millions and billions of years ago Adam cultivated the land, his progeny today follows suit.

Just like Adam, every fragment of cultivation comes from *clay*. Whatever seed one sows originates from *clay*. *Clay* forms the composition of plants, trees, herbs and shrubs too. The tall buildings and skyscrapers that we see are also its product. The raw material of even the largest of inventions is the work of *clay*.

In the same way humans grow bountiful trees and beautiful fields of crop, they also build huge constructions and other articles as a product of their cultivation.

Humans sow the earth and reap the earth. The act of sowing and harvesting is in a continuous process. This is because humans are an active member of this ecosystem and have been given the authority of intent or will; thus, the

Allah's Self. Self awareness is key to eternal peace, it is also mentioned on each title page of Mahnama Qalandar Shaoor that, 'Peace is the ultimate blessing in life, Self awareness is the key to peace'. One can conclude, true peace can only be achieved by the awareness of Allah's Self.

It seems appropriate at this point, to highlight the architecture or structure of human being. Mr. Azeemi described the attributes, behavior and tendency of human being as, "The fundamental rational behind every activity of human being with a son of Adam or daughter of Eve is laid in the eternal desire to achieve happiness. But the materialistic approach towards life disappoint them at each walk of life due to its inherent diminutive attributes."

Readers are encouraged to contemplate aforementioned description word by word. For example, 'fundamental rational', 'activity', 'eternal desire', 'achieve happiness', 'materialistic approach', 'life', 'disappointment', 'inherent diminutive attributes', to name a few. Each word in the description is a reflection of various stages of life—an outcome of latitudinal and longitudinal rotation.

Every individual goes through these stages of life (an outcome of rotational motion), since birth, being toddler, growing young, and turning old (an outcome of longitudinal motion). The impression of each activity during these stages is not only reflected in physical growth but also cognition until he dies or transfer to some unknown zone.

During his life tenure, he continues to strive for peace and happiness in business, job, education, family life, or in social bindings; but unfortunately everything ends on demise, dismay, gloomy and remorse. The eternal source of divine wisdom are divined books—Torah, Psalms, Injeel, Ved, and lastly Quran has revealed the traits of Allah's friends, 'they have neither remorse, nor fear.'

Continue….

❁ ❁ ❁

The longest bone in the human body

By most measures, the thighbone (femur) is the longest and strongest bone in the human body and makes up about one-fourth of a person's overall height. It extends from the pelvis to the top of the knee and typically measures about 20 inches in a person of average size. It gives support to the entire upper body and ensures that energy is distributed downward to the foot. It plays an essential role in standing, walking, running. It is very light in weight but is considered stronger than concrete; only events of a large amount of force can cause it to break, such as by a car accident or a fall from an extreme height.

Figure 10

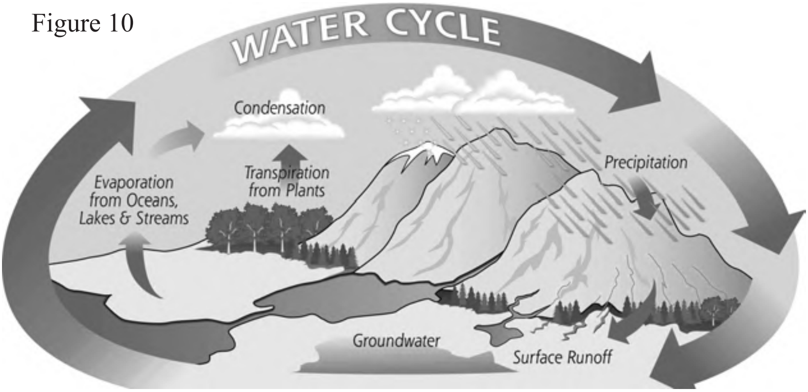

without any metaphor, *Arz* or Earth is stated as a creature—exhibit life and conscious. As mentioned in Quran,

"When the earth is shaken with its (final) earthquake. And when the earth throws out its burdens, And man will say: "What is the matter with it?" That Day it will declare its information (about all what happened over it of good or evil). Because your Lord has inspired it." (Quran, 99:1-5)

Laws of nature are unveiled when someone concentrate on the mechanism of natural phenomenon profoundly.

Additional illustration to the quoted verses are described on page 273, paragraph 2 in a book titled, 'Loh-o-Qalam', written by Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA). The role of latitudinal and longitudinal rotation is also highlighted there. Readers may share their interpretations to Mahnama Qalandar Shaoor. In the same context, Mr. Azeemi said in 'Message of the Day', that "Who is not aware of unwholesome outcomes of atomic explosions, vapors of diesel and petrol, exhaust of jet aircrafts! All of them have polluted the environment, where human is living a poisoned life—completely distressed."

It is warned in divined books in various notions, that is,

لا تفسدوافی الارض

Which clearly point out human being for their actions, which tarnished the *Arz* or screen or the Earth of Allah. In other words, the Earth acts as display screen reflecting the very existence of all being. Human beings are blessed with the authority to use the resources appearing on Earth for the benefit of all beings. These resources are also an entity of main screen, as a sub-screen for example trees, animals, plants, iron, minerals, rivers, mountains.

Allah wants all individual being in human to explore and utilize these resources to facilitate fellow beings to become aware of the Allah's blessing and eventually

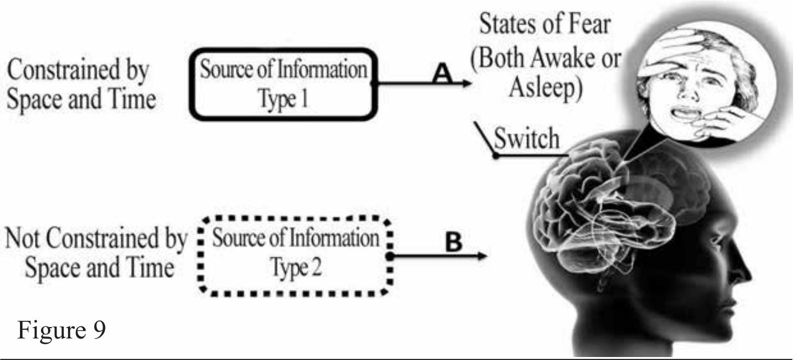

Figure 9

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) highlighted this achievement as, 'Hundreds of Muslim scientists revealed the mysteries of Universe with the help of contemplation on Quran and eventually contributed significantly in the evolution of present science.'

It may be worth mentioning that such enlightened scientist realized the technology to facilitate living life at *Arz* or Earth-spiritually considered as a zone during the human journey of life, where he is mostly restricted in fulfilling his requirement under the spatio-temporal existence (also called *Asfal-a-Safleen*).

Enlightened scientists use technology to make this journey easier. In this context the significance of switch shown in Figure 9 is very important; which shows the two sources of knowledge. Unlike source S1, source S2 is beyond the restriction of time and space. This cogent point is clearly indicated in divine books. In Quran it is stated in a verse,

"Surely, in the creation of heavens and earth, and the alternation of night and day, and the ships that sail in the sea, carrying that which benefits men, and in the water Allah sent down from the sky, then revived with it the earth after it was dead, and in every creature He has scattered on it, and in turning of winds, and in the clouds employed to serve between heaven and earth, there are signs for those who have sense." (Quran, 2:164)

Ladies and gentlemen may take note of the original divine word for night and day which are *'Lail'* and *'Nahaar'*. Switching forth between two states that is between *'Lail'* and *'Nahaar'* implies that there are two aspects of living a life. Either in the state of *'Lail'* or the state of *'Nahaar'*; here we can identify the spatio-temporal constraints in both states and also the independence from spatio-temporal limitations.

Indeed, aforementioned verse reveals many principles governing natural system. For instance,

i

The Death and Birth of Oceans

Students from various engineering disciplines are in general well aware of this technique, widely known as multiplexer. Knowing the bi-lateral movement of switch, one may like to know, what turns switch into desired position or terminal. Amazingly, the transfer of information over one of the positions is independent of spatio-temporal constraints, why?

Readers may contemplate on the minutia of Figure 9 and try to conclude, what may happen if both S1 and S2 are unable to deliver information? Students from various engineering disciplines are in general well aware of this technique, widely known as multiplexer.

Briefly, switch is either pulled to terminal A or terminal B. Knowing the movement of switch, one may like to know, who turns switch into desired position or terminal. In the context of article, it is evident, the sense of information perceived at terminal S1 is constrained with the limitation of specific space and time; while over the terminal S2, the transfer of information is almost independent of space and time.

Here, one may ask what is the source of energy which turns over switch between two positions? According to divine books, 'Allah is the *Noor* (a kind of energy) of Heavens and Earth'. This verse points out the very source of motive force. We shall discuss later in this article about the energy, switch-movement, and the sense of formation of two types of expression or reflection. We have already elaborated what really Earth is! Or in other words '*Arz*' or mimic cinema screen. In the same vein, readers may dig into the reality of Heavens or in terms of divine language *Samawaat*. Same may be found in a verse,

" and in the water (rain) which Allah sends down from the sky" (Quran, 2:164)

It is interesting to observe on the various sources of water as shown in Figure 10. Scientifically, rain is considered as the primary source of water, where clouds play key role in the whole cycle. The author of book, titled, 'Waqt', Mr Azeemi has narrated a key relation between various disciplines of knowledge and technology. He said, 'Hazoor Qalandar Baba Auliya (RA) mentioned that there is no discrepancy between the Islam, Science and Research; they are all interdependent'.

The beholder of spiritual knowledge and scientist of early ages did contemplate on the revelation of divine books and adopted them in their observation and experience. These scientist made heaven a place on earth, for every individual, without any distinction of race or religion, color or deeds.

V According to the sayings and writings of the saints of the Chisti Sufi order: Whoever has their name added in a king's office, has their name removed from God's office."

The clothes of Hazrat Shah Abdul Raheem (RA) and his appearance were ordinary. He used to wear whatever was available, whether it was thick or silky, or hard or soft. He used to say,

"I have not bought any clothes from the market since I removed worldly desires from my heart – neither gloves, dress nor shoes. God, the Real Provider, provides me with these things when n eeded."

One day he was wearing expensive clothes. A conceited person, who was boastful because of the amount he prayed called Hazrat Shah Abdul Raheem (RA) out on his attire and argued. He received the reply, "Every layered weave of my clothes thread is a net of God's love because it is given to me by the Real Planner (God) without my efforts, will or desire. The thread in your clothes is made of thick cotton thread, as you have obtained it with your efforts and desires."

Poetry Translation: "Our Lord takes care of all of our needs, and if we were to worry about our needs, then they would become trouble for us."

Hazrat Shah Abdul Raheem (RA) did not visit rich people. If they visited him, he would treat them with great hospitality. He used to give gifts and special blessings to any national or tribal leader and advise them very kindly.

His son, Hazrat Shah Waliullah (RA) said, "When the moon of the month of Shawal appeared, my father almost abandoned food. Due to weakness, he had diarrhoea and it was to the point that any hope of him living further began to fade. One day, he fell down and started reciting:

In those days of solitude, he called me and asked me to keep my heart attentive towards him. He also told me that this condition was for three months – I did not know what he meant by it. My father recovered from his condition eventually.

After three months, near the start of the month of Safar, he was plagued by illness again. Before the time of dawn, it seemed as though he were about to depart. He asked a couple of times,

"Is it Fajr time or not?" The people around him replied in negative. He replied to those people,

"It is not the time for your prayers but it is for me."

He asked us to face him towards the Qibla (Kaaba) and offered prayers through small gestures of his body. After prayers, his lips kept reciting the name of God and handed over his life to the Creator. It was Wednesday, 12 Safar, 1131 Hijiri."

iv secret that God is with those who are patient.

Patience is the divine light of God that brings a person close to Him by bringing its brightness into their physical senses. The meaning of patience is that one leaves the result of their planning and efforts to God. They negate their own will and believe in God, the Omnipotent. They wait for the Lord's plans and decisions on the delays and failures of their own efforts. They agree with whatever Nature gives them.

The whole system of patience is a program to strengthen obedience. Through patience, a person remains calm even under stress and remembers that God is with them.

With patience a person is compelled to realise that they are helpless at the hands of Nature, thus allowing a huge portion of divine light to enter them. When one has the habit of patience, then every difficulty becomes easy. God has described such people as courageous and said:

"So, (O prophet,) observe patience, as the resolute messengers observed patience" (Quran, 46:35)"

A sincere friend of Hazrat Abdul Raheem (RA) was a special servant of King Aurang Zaib. One day, while the king was meditating, his servant who was waving fan at him became immersed in meditation himself. He went into his unconscious and the fan dropped from his hand.

The king opened his eyes to see what the matter was. The servant told him about his feeling of ecstasy and his close association with Hazrat Shah Abdul Raheem (RA). The king showed interest in meeting Hazrat Shah Abdul Raheem (RA) and ordered the servant to bring him.

The servant replied, "Hazrat Shah Abdul Raheem (RA) finds it inappropriate to visit kings and the rich." The king called a friend of his and sent him to Hazrat Shah Abdul Raheem (RA) to request he present himself for a meeting.

Hazrat Shah Abdul Raheem (RA) refused. The king's friend realised he would not budge and requested that at the very least, Hazrat Shah Abdul Raheem (RA) write a letter to the king so that his refusal may not be considered negligence. There were a pair of shoes wrapped in a piece of old paper. Hazrat Shah Abdul Raheem (RA) wrote on it:

"All saints agree that it is worse for them to visit the doors of rich people. God has said:

"The worldly life is but a play and an amusement." (Quran, 57:20)

You have received very little of a little. Even if it is assumed, though it is very unlikely, you want to give me something – it is of no importance to me. For such, why should I get my name removed from the list of people loved by God.

iii end. We cannot understand the function of the black dot through perception, (the senses we are in the habit of using), and cannot observe a nanosecond. The senses that can perceive a nanosecond, on the other hand, are beyond the conscious. The law of observing a nanosecond has been mentioned in the Surah Al-Qadr ."

Hazrat Abdul Raheem (RA) said,

"During Ramadan, one day my nose started bleeding and I felt weak. I almost fell asleep and as I did so, was blessed with a vision of Prophet Muhammad (PBUH). He gave me some very tasty and aromatic *Zarda* (sweet rice) and cold water. I ate and drank it all. I woke up and there were no feelings of weakness, hunger or thirst remaining. The aroma of saffron from the Zarda was still on my hand."

Once, Hazrat Abdul Raheem (RA) visited the shrine of Hazrat Khwaja Qutbuddin (RA). The soul of Hazrat Khwaja Qutbuddin (RA) became visible to him and gave him good news,

"A son will be born in your family – name him Qutbuddin Ahmed." The wife of Hazrat Abdul Raheem (RA) was at an age where it was not possible to bear a child. Hazrat Abdul Raheem (RA) thought the message may mean his son's child e.g. his grandson. To clarify his doubt, Khwaja Qutbuddin (RA) said, "I did not mean a grandson, I meant that he will be your son." After some time had passed, Hazrat Abdul Raheem (RA) got married again and Hazrat Shah Waliullah (RA) was born. At the time of his birth, Hazrat Abdul Raheem (RA) forgot about the earlier event and named his son Waliullah. However, after remembering, he gave his son a second name of Qutbuddin Ahmed.

Sheikh Faqirullah said,

"The mother of Shah Abdul Raheem (RA) passed away. Although he was extremely sad, he remained patient and did not cry. One night, while Shah Abdul Raheem (RA) was sleeping and I was massaging his feet, I saw that a divine light had covered his body, notably his chest and face. When he woke up I told him of what I had seen. He said, 'It was the divine light of patience.'"

It has been mentioned in the holy Quran: "For Allah is with those who patiently persevere." (Quran, 2:153)

It is written in the book 'Waqt' (Time): "Wherever there is patience, Allah is there, and wherever there is Allah there is hope. Wherever there is hope, there is belief. And when there is no belief, there is doubt. Wherever there is doubt, there is Satan, and wherever there is Satan, a person becomes rebellious. God seals such hearts.

A person's mind becomes automatically attentive towards God when he becomes aware of the

ii become a reality and kept reading Durood Sharif. One night, while reciting Allah's name, a divine light in the image of the moon appeared, even though there was no moon visible that night. Gradually, he saw the divine light started spreading all over the earth. It then shone over his head and body, intoxicating him with complete joy. As the light shone directly over his head, he became unconscious and his physical body became invisible. His father tried to find him but couldn't. During this disappearance, he travelled through the different levels of the heavens until he had crossed all of them and was blessed by being in the presence of the court of Prophet Muhammad (PBUH). He took the oath of allegiance for Prophet Muhammad (PBUH) and was instructed by the prophet to do the *'Nafi Isbaat'* Zikr.

Hazrat Shah Abdul Raheem (RA) said, "One day, I was performing meditation around the time of the Asr prayer. Those moments in prayer became equivalent to forty thousand years. I saw every event of the creation, from the beginning of time, to the day of judgement."

"One night I saw that I was standing in heaven and looking at the palaces and the *Hoor* (heavenly maidens). A thought about them came to mind which I ignored as I whole heartedly desired for God. I became disturbed at the fact that I was unable to see Him however. I became desperate and started crying. The residents of heaven tried to pacify me. They said, 'This is a place of happiness, not for crying.' I turned down their attempts and turned my face away. Finally, they said, 'By your Lord, tell us the reason for you crying?' Suddenly, I received an inspiration, 'For the servants of God, the gardens of heaven are there for their comfort as a guest.'"

In order to recognise the soul and its spiritual capabilities, it is a necessity to reduce interest in worldly affairs and keep attentive towards God. In spiritualism, concentrating on one point is called meditation.

Meditation is to turn your attention away from everything else and establish a mental connection with the One Great Lord. A person enters the state of meditation when their connection with God is established, and the limitations of the fictional senses (the five conscious senses) are subdued.

Meditation is a process in which a person can travel in the realm known as the spiritual world, whilst remaining awake. After entering the spiritual world, a person recognises and understands the special association between creations and the Creator that exists at every single moment.

In the book 'Lectures on Loh-o-Qalam', it is written:

"A nanosecond of the black dot spreads over the beginning to the

The Divine Light of Patience

Meditation is to turn your attention away from everything else and establish a mental connection with the One Great Lord.

Hazrat Shah Abdul Raheem (RA) said, "I was nine or ten years old when a holy person Khwaja Hashim (RA) from the Naqshbandia Sufi order came from Bukhara and stayed in our neighbourhood area. He would bless me very often. Once he said to me, 'I know of a prayer (Wazeefa), where a person becomes rich upon reciting it.'

Worldly desires didn't attract me so I said, 'God fulfils all my needs and no more is needed.' The holy man became quiet after hearing my reply. A few days later he said, 'I have been passed on a prayer from my teachers. For whoever you do this prayer, they will be healed from leprosy.' I replied with respect, 'God has kept me safe from this disease and if I see any leper, I will bring them to you.' The holy man once again became quiet.

After a couple of days, he said, 'My intention was to test you as you are very capable. I am quite pleased to find you have courage. I want you to practice one of the exercises performed by saints.' I replied in acceptance with all my heart. He instructed me to practice 'Istaktaab' and allowed me to write the name of 'Allah' on a paper or wooden board without cessation. By continuously looking at the board, it would engrave the meaning into the part of the mind where thoughts are processed.

I started the practice and it overtook my consciousness. In those days, I used to read 'Sharah Aqaaid' and 'Hashia Khayali'. I sat down to write 'Hashia Abdul Hakeem' and wrote at least one full paper copy of the name 'Allah' unconsciously.

Hazrat Shah Abdul Raheem (RA) was a great Sufi, and father of Shah Waliullah Muhaddis Dehlawi (RA). He once saw Hazrat Sheikh Abdul Aziz (RA) in a dream who said to him, "O my son! Do not take the oath to join a Sufi order on anyone's hand until Hazrat Khwaja accepts you. Afterwards, you have a choice." He recounted his dream to Hazrat Khwaja Khurd (RA) and asked for its interpretation, saying, "There is no one known as Khwaja except for you among the Sufis in this city."

Hazrat Khwaja Khurd (RA) said, "You will be blessed with Bayat (taking a spiritual oath of allegiance) for Prophet Muhammad (PBUH), for whom the universe has been created."

Hazrat Shah Abdul Raheem (RA) was waiting for the interpretation to

What goes around, comes around

There was once a king who was so cruel and unjust that his subjects yearned for his death or dethronement. However, one day he surprised them all by announcing that he had decided to turn over a new leaf.

"No more cruelty, no more injustice," he promised, and he was as good as his word. He became known as the 'Gentle Monarch'. Months after his transformation one of his ministers plucked up enough courage to ask him what had brought about his change of heart.

And the king answered, "As I was galloping through my forests I caught sight of a fox being chased by a hound. The fox escaped into his hole but not before the hound had bitten into its leg and lamed it for life. Later I rode into a village and saw the same hound there. It was barking at a man. Even as I watched, the man picked up a huge stone and flung it at the dog, breaking its leg. The man had not gone far when he was kicked by a horse. His knee was shattered and he fell to the ground, disabled for life. The horse began to run but it fell into a hole and broke its leg. Reflecting on all that had happened, I thought: 'Evil begets evil. If I continue in my evil ways, I will surely be overtaken by evil'. So I decided to change".

The minister went away convinced that the time was ripe to overthrow the king and seize the throne. Immersed in thought, he did not see the steps in front of him and fell, breaking his neck.

Cycle of Deeds always gives us back what we give to others. If we do good to others, our good will happen, if we do bad to others, our turn will also come.

iii nature and desires. God has stated some of humanity's weaknesses in His book, such as disobedience, haste, being prone to arguments, being short of courage, unkindness, ignorance, being short sighted and jealousy. These flaws are born from the lust of this world, having a weak conscious, and general ignorance.

Ignorance means a lack of knowledge. However, according to the law of God, life itself is knowledge. Knowledge is a continuous and serial stream of information. Information and its meanings are movements, and movements are the command of God. The command of God is that when He thinks of doing something, He simply says "Be" and it is. A command is an order, and indeed, His order is of the highest power.

To say that God is the Ruler or has Dominion over everything means that there is no moment in time that is out of His control, and that everything is within His power. Feelings or perceptions manifest from thoughts after passing through small steps of creation.

For example, there is a body of light over our physical body. This body of light feeds the physical body, and when it stops feeding it, the physical body dies: what is left is called a corpse or dead body. Since the body of light is associated with the process of creation, it is completely aware of past, present and future records. Having this awareness of time, the body of light inspires our physical body to be patient. The purpose is to inspire us that our hardships are temporary and are there to be passed through. The body of light strengthens us in facing hardships with strong will and courage. If we act conversely however, our lights become imbalanced.

Prophet Ayyub (PBUH) is a venerated prophet of God. His life conveys the message that God is with those who are patient. When a person remains steadfast and has faith in God as their Caretaker, God opens doors of comfort and luxuries to them. Such provisions are dispensed that lead to happiness in abundance. This is seen with Prophet Ayyub (PBUH) as God made a spring continuously stream out from the ground, and both husband and wife became young again, living to see the fourth generation of their descendants.

(Last Episode)

Khalil Jibran says:

"Life without love is like a tree without blossoms or fruits. Love has no other desire but to fulfill itself. To melt and be like a running brook that sings its melody to the night. To wake at dawn with a winged heart and give thanks for another day of loving."

ii you to do something. So, patience is best. It is Allah whose help is sought against what you describe." (Quran, 12:17-18)

"Surely, We found him very enduring. He was really an excellent servant. Surely, he was great in turning to Us." (Quran, 38:44)

"And remember Our servant, Ayyub – when he called his Lord saying, The Satan has inflicted weariness and pain upon me. Allah said to him, Strike (the ground) with your foot: Here is a cool water to bathe, and a drink! And We let him have his family and the like of them besides, as a mercy from Us, and a reminder for the people of understanding. And Take (a bundle of) thin twigs in your hand, and strike with it, and do not violate your oath." (Quran, 38:41-44)

"And (remember) Ayyub, when he called his Lord saying, here I am, afflicted by pain and You are the most merciful of all the merciful. So, We answered his prayer and removed whatever pain he had, and gave him (back) his family and the like thereof along with them, as a mercy from Our own Self and as a lesson for the worshippers." (Quran, 21:83-84)

In the story of Prophet Ayyub (PBUH), God has mentioned that Prophet Ayyub (PBUH) was patient for the sake of God. Like Prophet Ayyub (PBUH), patience was a virtue and part of the thinking pattern of all prophets. It was that attribute that allowed them to remain steadfast in times of suffering. The prophets thought of God as their friend and considered His Will before anything else. They thanked God for every blessing and believed that their circumstances and provisions all came from Him. Through the story of Prophet Ayyub (PBUH) there is a gem of wisdom from God to learn, that is that a person is able to bear and sustain even huge amounts of pain without complaint when they place their trust in God and completely believe in Him. With reference to patience, God has given examples of His pious people such as Prophets Ismail, Idrees, Dhul-kifl, Nooh, Yaqoob (Peace Be Upon Them). God said to His beloved Prophet Muhammad (PBUH), who *is* the reason for the creation of the universe,

"So, (O prophet) observe patience, as the resolute messengers observed patience." (Quran, 46:35)

God also addressed the believers,

"As for those who believe and do righteous deeds, We shall accommodate them in mansions of the Paradise beneath which rivers flow, where they will live forever. Excellent is the reward of the workers, who observe restraint patiently and place their trust in their Lord alone." (Quran, 29:58-59)

The literal meaning of patience is to stop or sustain. The commands of God are a program that imparts knowledge to mankind about their

i

Prophet Ayyub (PBUH)

Knowledge is a continuous and serial stream of information. Information and its meanings are movements, and movements are the command of God.

"If something good happens to you, it annoys them, and if something evil befalls you, they are delighted with it. If you keep patience and fear Allah, their cunning shall not harm you at all. Allah is All-Encompassing of what they do." (Quran, 3:120)

"There have been many prophets with whom many men of Allah have fought; they did not lose heart for what they suffered in the way of Allah, nor did they become weak, nor did they yield. Allah loves the steadfast." (Quran, 3:146)

"Shall it not suffice you that your Lord should help you with three thousand of the angels sent down (for you)?" (Quran, 3:125)

"As for those who believe and do righteous deeds, We shall accommodate them in mansions of the Paradise beneath which rivers flow, where they will live forever. Excellent is the reward of the workers, who observe restraint patiently and place their trust in their Lord alone." (Quran, 29:58-59)

"Obey Allah and His Messenger, and do not quarrel with each other, lest you should lose courage, and your prowess should evaporate; and be patient. Surely, Allah is with the patient." (Quran, 8:46)

"And be patient, for Allah does not let the reward of the righteous go to waste." (Quran, 11:115)

"Then, your Lord — for those who left their homes after being persecuted, then fought in the way of Allah and stood patient — surely your Lord is, after all that, Most-Forgiving,Very-Merciful." (Quran, 16:110)

"And (remember) Ismai'l and Idris and Dhul-Kifl. Each one of them was of those who observed patience. And We admitted them to Our mercy. Surely, they were of the righteous." (Quran, 21:85-86)

"Thereafter, when he (the boy) reached an age in which he could work with him, he (Ibrahim) said,O my little son, I have seen in a dream that I am slaughtering you, so consider, what is your opinion? He said, O my dear father, do what you have been ordered to do. You will find me, insha'allah , (if Allah wills) one of those who endure patiently." (Quran, 37:102)

"They said, Father, we went racing with one another, and left Yusuf with our belongings, and the wolf ate him up. You will never believe us; howsoever truthful we may be. And they came with fake blood on his shirt. He said, Rather, your inner desires have tempted

iii We had to visit the tiger temple and I was so in love with these lovely beasts that had been raised to love humans. And I had my brave moment with these lovely souls as we caressed them, fed them with milk and played with them. After a photo session with the tigers, I sat on a bench close to the enclosure watching a playful strong large 2-year old cub. Something in me whispered that the tiger would jump on me and I had to move quickly and in that very moment the leash snapped to give the cub length to reach me and it jumped up very close to my neck and my presence of mind got me away from being hurt at the nick of time. "Okay! So ether, water or earth on the verge of death, you are on my mind God and once I am back from the edge, I am more in your thoughts God. I have gotten my answer. I pleaded my best friend God one last time! I could not stop laughing though! He and I have a special bond. I speak and He has always instantly replied but often with His large heart.

My family was perplexed at my uncontrollable laughter. They thought I was laughing in shock and fear. It is often the case. People who are in terrible shock either react with intense crying or laughter. I told them I was neither in shock nor fear but I was enjoying my intimate friendship with God. My family then learnt about my Q&A session with my beloved God.

I know I have great smiling pictures after and before the three experiences. I know I have posted my smiles all over social media and have been appreciated for my bravery through my experiences from people who have read and heard my story. Do I have to make these encounters my misfortune or can I view them as extreme challenges I surfaced through? Should I remember these instances as mishaps or make them my intimate moments with my best friend God? We are always in these situations in life. Often tested to see if we have Him, just Him on our mind under all circumstances. To see if we succumb to the pressure of the situation or surrender to the will of the almighty God, and realize that this was created as our learning experience, a test of our faith in Him. All of the seemingly tough situations are just simulations in this illusory game called life, just like these claims of happiness through happy pictures on social media are illusory.

How about never asking God "why me?" when tested? And realizing it is because He trusts us to choose Him over everything and everyone, He puts us through these tests. As a conscious decision to be a happy person, our choice should be to be happy inside out through both life or death, as they are just experiences of being closer to God anyway.

ii speed instead of accelerating it and I instead of being lifted in the air, was dragged on the coarse concrete floor all the way to the edge of the ledge and just when I was thinking I will crash against the sea about 100 feet below me, I finally got lifted up. It was a disaster take off and I was the chosen lucky one that day for the experience. I was at the edge of death and I remember calling out God in my mind. As I was up there, dangling in the air, I remember smiling at the realization that God had indeed given me my moment and answer too. I said to God in my mind, "Okay that was a great experience, thank you, I know you were on my mind!" The scenic beauty of the sea and land from above mesmerized me and I was all in awe and got lost in God's creativity. And then, the time arrived and I began to land. Unlike all others who had a safe landing, I was yet again dragged to the edge of the ledge all wrapped up in my parachute. 20 people rushed to save me from crashing into the ocean one more time. Just one feet away from falling down, I was kicked away from the ledge like a massive football by a professional expert who worked there. This time I was laughing hysterically. I mean what do you want me to do? God my best friend was still having some fun with me. My feet were scraped badly and I was hurt. As I returned to the arm of my shocked family who witnessed the mishap, I was shaking realizing how close I was to losing it all but with naughty smile I also realized I was so close to meeting Him.

As the day was a power packed back-to-back adventure day, in 15 minutes of the above adventure, we were scheduled for deep sea diving. I do not swim and being claustrophobic it takes strength to jump off the yacht into the dark depths of the ocean. And of course being the one to never miss an opportunity of such beautiful under sea experience I did jump off! When I knelt on the seabed as per the instruction of the diver for a picture, I lost my balance and began to drown. The sea water, was entering the diving helmet and filling my mouth, I was blinded by the salt. I was trying to keep myself back on the seabed but I kept drifting up and away like a hydrogen balloon. Drowning, I talked in my head to God, "You are on my mind! You are the only one on my mind! Now please could you put me down? My family will be worried." And in that very instant, I saw myself being tugged down and being steadied by firm hands. I realized God had inspired my husband who does not swim himself through his fear of losing me and saved me by reaching out to me with whatever length of arm, leg & body he had. Once up on the deck of the yacht, I looked up at the sky and with a chuckle in my head whispered "Dear God, Ether and it was you on my mind, Water and it was you on my mind. I hope that this is the last test. Please forgive me for asking you silly questions."

i

Edge of Life

Tough times can be struggle to some and challenge to some other. Happy people are truly happy inside out, whether on the edge of life or on the verge of death!

We all put up great pictures to please the eyes on social media. We put up great fronts for people to see. Many a times, we get lured by the happy fronts people put up, and push ourselves, into deep misery. What exactly is behind those fronts? Easy life? Joyous life? Or, are they hiding secrets of their struggle and tough treads? Honestly everything is about what you focus on. Tough times can be struggle to some and challenge to some other. Happy people are truly happy inside out, whether on the edge of life or on the verge of death!

I put up very happy pictures of myself on the social media too. The first picture showed a brave me hanging from the parachute over a speeding motorboat. The second was a picture of me under sea-water, feeding a school of fish. The third picture was of me bravely sitting with a young, strong, large tiger cub. I got raving attention for being adventurous and also comments suggesting how lucky and blessed I was for having all these opportunities in life. Nobody knew the stories behind the pictures until I decided to tell them the next day.

Why the next day? Just so, that there was a quick realization amongst the readers, what really is and what is shown are two different things whether in life or on social media.

I was on an annual holiday with my family and it was a power packed day full of adventure. I have this old habit of continuously being in conversation with my invisible friend, God. As I was being driven, the early morning cool breeze and blue sky, kept sweeping me into thoughts about my best friend. And I remember asking a question in curiosity to God, "Do you think your name will be the last I will utter when I am on the verge of death or will I again worry about my family and friends who I fear I will lose?"

I am scared of heights and claustrophobic too. When they announced parasailing I was sure it is just not for me. Then watching everyone being smoothly pulled up into the air and getting themselves safely landed down, I was beginning to feel okay about the whole experience and agreed with the gentle coaxing of my family to try it. I was told to run a few steps and that I would automatically be pulled up in the sky by the speeding motorboat. As I began running, the speed boat decreased its

ii stantly, but what we can learn from it is that intention, is in fact a seed. If nurtured positively, it will bear fortune to the planter, and vice versa.

Everyone comes to this world with a role to play. Despite suffering adversities, there are some that happily play their roles so that when their final act is up, they leave a lasting legacy. Others arrive who suffer no apparent adversity, rather are blessed with every privilege the world has to offer, and take their leave from the stage with no one having remembered their performance.

In both cases, if the departed could return with another chance, they would definitely help as many as they could and love everyone unconditionally. They will know, that no matter how they act, only their deeds will travel with them. None of their material wealth, power or any illusion of influence will follow them. Unfortunately for us though, we only have one shot – one attempt at life. Those who depart, bear the fruits of their actions.

The intention or the seed can either grow into fruit or a thorny plant. The truth is that all actions are based upon intentions. It is time that we hold ourselves accountable for our deeds and make the intention to better our lives, and those of others. The seed of a good intention can make a truly remarkable impact in this world. No matter what comes your way in life, remember to plant a seed for good, as you cannot fathom how many it will serve.

❂ ❂ ❂

Railroad Worm

Railroad worms are found in both North and South America, these bugs and their larvae emit both green and red light. About two inches in length, it belongs to the beetle superfamily as fireflies. They are one of the few organisms that achieve the remarkable feat of emitting not one but two colours in different parts of their body. The worms resemble a miniature train bustling away at night; The head glows a fiery red whereas the body emits green light through eleven pairs of luminous spots arranged in rows. Scientists learnt that the luciferase enzyme involved in the reaction that gives off the atypical red colour in the head is the only enzyme that can do this in nature and is slightly different in structure from other luciferases. Studies as far back as the 1940s reported that upon a slight disturbance – such as knocking the table and blowing over them – they switch on their red headlight and when faced with more vigorous disturbances they turn on both of their rows of green lights.

i

Seed

Life begins with a seed, a tiny seed that grows into numerous shapes and sizes. Large white seeds make oranges and tiny black seeds apples. Mangoes have bigger seeds, and kiwi have small ones. It's amazing to see one seed transform into a beautiful flower or tree.

Never has a seed for an apple grown into a pear tree, nor has a seed of an orange tree grow into that of a banana. It's something we as humans accept as the norm but we should really consider how astonishing it is that throughout history, an apple tree has only ever produced apples. In the Holy Scriptures, God mentions a program in constant motion that has never changed and never will. If we look into the sky for imperfection, our eyes will be lowered with humility, accepting the fact that everything around us has been created by a force unimaginably greater than us – everything works perfectly within this program.

Seeds are much like an investment we make that grows over time and blossoms. What then of the people of this era, who hold doubt, fears and grief whilst living? They say peace can only be found on pieces of paper, and that they can buy happiness with that paper: a foolish belief that holds no ground. When one passes, they take nothing with them but their deeds – good and bad. Of course we are in search for what we desire in the material world, whether that be wealth, power, or adventure; but seldom do we give thought to the method of attaining a peaceful existence, one in which happiness and satisfaction permeates within our Soul.

We can love, and do those deeds that benefit others, made even better if the doer of the deed expects nothing in return. You will find that in this era, people are very surprised to see someone do a good deed without thinking of themselves first in some way. Our minds have adjusted to doubt, where we begin to judge what the ulterior motives of others may be. There are those who may genuinely need help and not receive it because of this shortcoming of ours. And when we do decide to help others, it is usually attached with some sort of want.

Take for an example a child who looks after his grandfather in his passing days, only in the hopes of receiving some sort of inheritance. Though their deeds are indeed good, it is the intention that matters. Had the child acted in the same manner, but with a genuine worry for their grandfather, their fate will blossom; however, due to the negative attachment to their deed, they will instead lose peace of mind. This is just one of many such cases that occur con-

iv An observer observes the portion of paper void of color that is sketched. These sketches are termed as moon, sun, earth, sky, mountain, meadows, rivers, oceans etc.

When we see an ocean, we utter, ‘it is an ocean’. It is similar to drawing an ocean sketch on a paper surrounded with colors.

In our daily life, while walking through a corridor with glass partition, we become cautious of presence of transparent glass due to a red circle pasted on it. In the absence of this red circle, sometimes people hit the glass and get injuries.

Life is void at one fold and closeness on other fold. Allah said,

“We certainly belong to Allah, and to Him we are bound to return.” (Quran, 2:156)

At one fold, void is successively appearing and at the other fold, it is gradually diminishing. Both actions are performed simultaneously. It increases, when an object moves away from the core and vice versa. But it is never devoid of space. A mother hugs her child, apparently there is no gap, but it does exist.

Closeness is an act of successive devoid. When we think of someone, we are void of his presence, which we try to fill up by thinking of him. It is upto an individual whether he fills his void up by worldly filth or by Allah’s *Noor* (a special kind of light, which is base of universe—extremely lighter than the conventional light).

Dear ladies and gentlemen! You have listened ‘Message of the Day’. Though you listened it by reading to yourself. A viewpoint from teachings of Murshid-e-Kareem Abdaal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) is presented before you. There are various queries raised in ‘Message of the Day’. Read the article thoroughly twice or thrice, it will unveil many cogent points upon mind. If you are unable to comprehend something, write to ‘Monthly Qalandar Shaoor’.

Allah Hafiz

iii

It is mandatory to understand the intricacies behind any phenomenon, no matter how trivial is the nature of phenomenon. It is mentioned in Quran Kareem,

"Nothing in the heavens and in the earth, even to the measure of a particle, can escape Him, nor is there anything smaller than that or bigger, but it is recorded in a manifest book." (Quran, 34:3)

When we take something in account, we become aware of it or in other words observations are conveyed to the mind of observer. That is observer observes the object by transforming himself into the object's self. We cannot observe the characteristics of moon, until we transform our self into moon's self or moon's attributes.

To see each other, space between the objects is mandatory, if Hamid sees Mehmood, there must be space between two of them. When we see mirror, we look at ourself in mirror, or we look at our reflection in mirror. It means that we do not see ourself, rather how mirror is looking at us. Mirror acts as a space, where reflection is formed. If there is no reflection, there would be no appearance of us in mirror.

There is always a space between two consecutive frames on movie spool stripes. Otherwise all frames would merge into each other. Each frame has distinct shape to be projected on cinema screen. Whether it is space between two consecutive frames or within a frame itself, both exist in a predefined proportion, which maintains their individual identity.

Two consecutive words are also void of continuity, whether it is between words in a sentence or a word itself. It is the void of continuity, which allows us to utter and understand sensibly each alphabet in a word or a sentence explicitly and clearly. However, in colloquial flow we do not notice this slight gap.

Law: Without a void of continuity, neither the time and space would be considered nor the speaker or listener would be able to comprehend what is uttered!

Ladies and gentlemen! You may draw a sketch on a plane white paper. Fill colors around the sketch. One can easily identify the sketch surrounded by the color. If we wipe out all colors around the sketch, there would be no sketch, rather a plane white paper. Colors around the sketch resemble the light. Allah's knowledge has surrounded each object in the universe, as colors did around sketch on paper.

ii A teacher can define a law loudly or merely depict same on the white board and be quiet. Though he is silent, but picture narrates itself and we become aware of the content of picture.

When a teacher teaches a law. In case, if its interpretation is not depicted on mind, he exemplifies it. However, if it is depicted in line with the voice, examples are no longer required.

It indicates, a successive understanding is a space.

What is the distance and a space —? A void, and a void is a light. Light is existence.

Void = Light = Existence

In general, a void is lacked of any shape. There is not a single object in the universe without a shape. Space is a zone, where physiological eye lacks in observing any object. The unconscious vision perceives void as network of light pertaining a shape. What is void to eye, is the limitation of visionary system or conscious observation. This limit is termed as void or vacuum. When *Nigah* (internal vision) is enabled, networks of light appear before it. It leads to awareness of another conscious, called unconscious. Conventional conscious follows the unconscious.

A lover of the Prophet (PBUH) — Allama Iqbal articulated in poetry as:

There are various worlds beyond the stars

More tests of love are yet to come

This vast space does not lack life

Hundreds of other caravans are here

Do not be content with the world of color and smell

There are other gardens, there are other nests too

What is a worry if one nest is lost?

There are other places to sigh and cry for!

You are a falcon, flight is your vocation

You have other skies stretching out before you

Do not let mere day and night ensnare you

There are other times and spaces belong to you

When we stare at something—it appears before us. However, we do not seek the reason behind the visibility and invisibility of object, when we observe them attentively or inattentively?

In principle, void has existence, which segregates between the two entities.

i

Message of the Day

A void is essential for vision. Before the genesis, all beings were unaware of their selves and others' selves. Then, there was genesis of distance, that is space came into being. All Beings saw the Creator of universe, followed by presence of themselves and later others.

1. Universe came into being from nothingness, time and space were created. Allah said, "الست بربکم" (Am I not your Lord?). Senses of beings were enabled. Firstly, being was enabled with listening, hence another space is created.
2. The first instance of space was the first instance of genesis of universe—reflection of Allah's mind, when He said 'کن' (Be).
3. The vision was enabled followed by attention towards the source of voice.
4. Awareness to Creator of universe—Allah, was enabled next.
5. Beings' consent to Allah, enabled the fifth sense of distance that is speech.

Gradually, faculty of other senses was enabled, hence became an introduction between the Creator and creation. In other words, distance is successively grown. There was a real instant (of time) when the voice was heard, attention was projected. Observation, perception occurred and consent was made.

Faculties of senses cannot be differentiated in a voice. It depends on the awareness, how to differentiate. Despite the singularity of voice, it takes a while for conscious to grasp the concealed meaning in the voice, due to its profound nature of interpretation. Interpretation of voice is done over the successive moments. This division over moments provides successive awareness.

When a teacher teaches a law, it is not revealed at the very moment. However, a consent or denial reflects the interpretation, marked as a state of awareness.

Primary hindrance in clear interpretation at the very first moment is centuries long evolved conscious growth. That is evolved successively over grandees, family and individual growth to interpret the voice. The interpretation of whatever is concealed in the voice becomes observation, when it is merged onto mind. The state of mergence is closeness.

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	172
Seed	Sohaib Rana (UK)	168
Edge of Life	Bibi Anuradha (UAE)	166
Prophet Ayyub (PBUH)	Extracted	163
The Divine Light of Patience	Muhammad Zeeshan	159
The Death and Birth of Oceans	Dr. Naeem Zafar (UAE)	154
The Vicegerent	Qudsia Lone (Canada)	150
The Autobiography of the Devil (Iblees)	Nasser Abbas (UK)	148

"When you go through a hard period, when everything seems to oppose you, when you feel you cannot even bear one more minute, Never give up!
Because it is the time and place that the course will divert!"

— Hazrat Jalaluddin Rumi (RA)

Vol 5 Issue 4 | May 2017 | Shabaan — Ramadan 1438AH

بسم الله الرحمن الرحيم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in chief
Huzoor Qalandar Baba Auliya RA

Chief Editor
Khwaja Shamsuddin Azeemi

Editor
Hakeem Salam Arif

Circulation Manager
Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.60/- Per issue. Annual subscription Rs.820/- with Reg. Post (Domestic), US$ 60/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020

The Secret of a Beautiful Smile

DENTAL innovations Clinic

Dental Implants

Aesthetic Dentistry

Teeth Whitening, Porcelain Crowns, Veneers, Ceramic Restorations

Restorative Dentistry

Crown & Bridge, Root Canal Treatment

Orthodontics

Fixed And Removable Braces, Invisible Braces

General Dentistry

Extractions, Fillings, Dentures

Preventive Dentistry

Pit Fissure Sealants, Scaling, Root Planning

Minor Oral Surgery

Impaction (Wisdom Teeth), Apicectomy

Pediatric Dentistry

Space Maintainers, Steel Crowns

LAHORE

LG 136, Siddiq Trade Center
Main Boulevard Gulberg.
0301 2399991 - 042 2581711
0300 8511747

QUETTA

Balochistan Medical Center
Prince Road / Fatima Jinnah Road,
081 2836448 - 081 2825275
0300 3811747

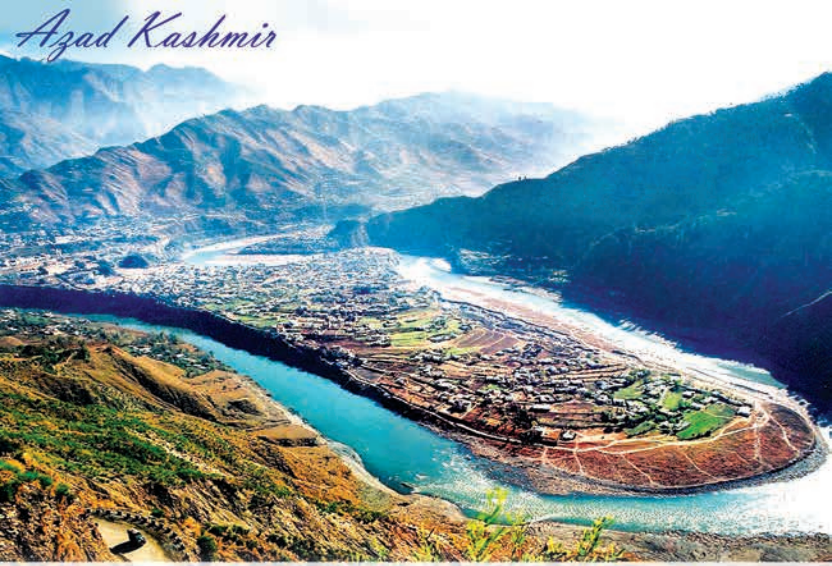

SANGAM HOTEL MUZAFFARABAD

HOSPITALITY IS OUR TRADITION

We serve famous delicious Cuisines, offer Air conditioned Rooms, Suites, well equipped Wedding and Conference hall and great Customer service.

Phone No: +925822444194-5 Fax No: +925822442587

Email:sangamhotel@hotmail.com

Meditation of Blue Light

Meditation of blue light helps in attaining peace. It strengthens belief if practised under the supervision of a spiritual teacher. Blue light enhances creativity and is instrumental in getting rid of mental disorders, depression, inferiority complex and weak will power.

Khawaja Shamsuddin Azeemi

~ Like us on Facebook ~

English translations of Mr. Azeemi's work available.

https://www.facebook.com/BlueroomCanada

• Domestic/Commercial Independent solar systems
• Solar Powered Street Lights
• Solar Tube well pumps
• Hybrid solution for Telecom sector/BTS towers
• Large Scale Photo Voltaic plants
SOLAR SOLUTIONS
Midea
World No.1
AIR TREATMENT BRAND
ALL DC INVERTER COMPRESSORS
LATEST GENERATION INVERTER VRF
LOWEST OPERATING COST IN INDUSTRY
45% SAVINGS AT LOW LOAD
Home and Commercial
Air Conditioners
1080p
FULL HD
Cummins
Power Generation
DIESEL GENERATORS
SAMSUNG CCTV commercial I Residential alhua
We offer best IT solutions to meet your needs!
GUIDELIGHT
BUSINESS SOLUTIONS
We Offer Sustainable Solutions...
Jawad Tower, Block-B, 4th Floor, Flat # 6, University Road, Peshawar-Pakistan.Ph# 091-5711454
E-mail: info@gbs.com.pk , azeemi.moon@gmail .com web: www.gbs.com.pk

حکیم ایلوویرا شیمپو

Repairs
Damaged Hair

- نرم وملائم چمک دار اور صحت مند بال
- خشکی کا خاتمہ

جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ تیل

روغن پرسیاؤشاں

- گھنے، لمبے اور چمکدار بالوں کی نشوونما کے لئے
- حافظہ روشن کرتا ہے
- دماغ کو تقویت دیتا ہے
- سر درد میں مفید ہے

عظیمی میڈیکل اسٹور

ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

ELEVATE YOUR STYLE WITH
COROLLA ALTIS
Grande
1.8L
TOYOTA
NEW
NEW
NEW
NEW
NEW
NEW
NEW
NEW
Grande
facebook.com/Toyota.Hyderababd
TOYOTA HYDERABAD MOTORS
A/41, S.I.T.E, Auto Bhan Road, Hyderabad, UAN #: (022) 111 555 121 , Fax: (022) 3885126
email: toyota.hyd@cyber.net.pk, web: www.toyota-hyderabad.com